

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

جب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمدِ الٰہی سے اپنے عجز کا اقرار کیا تو ما و شما کا کیا ذکر ہے جو زبان ہلا سکیں اور جب شانِ مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں خدا کا ارشاد وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا ہو تو بندہ کی کیا طاقت جو دم مار سکیں کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے

زلافِ حمد و نعت اولیٰ ست برخاکِ ادب خفتن		سجودے میتواں کردن درودے میتواں گفتن

اگر اہلِ بیت رضی اللہ عنہم نجات کی کشتی ہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم آسمانِ ہدایت کے تارے ہیں۔ جیسے بحرِ سلوک سے پار ہونا ہو تو اس کشتی میں سوار ہو کر اُن تاروں سے راہ کی معرفت حاصل کرکے ساحلِ مقصود تک پہونچ جائے۔ کشتی بغیر تاروں کے اور تارے بے کشتی کے نافع نہیں اگر اس راہ کو جلد طے کرنا منظور ہے تو پیرانِ کبار و اولیاءِ عظام کی توجہ بھی ضرور ہے

مورِ مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد		دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

میرے اللہ تیرے کلامِ پاک کے طفیل سے مجھے سیدھی راہ پر قائم رکھ اور اوس کے سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عنایت فرما۔ **میرے اللہ** تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پاک کے صدقے سے تو اپنی سچی بندگی اور اُنکی سچی غلامی نصیب فرما۔ اور احادیث شریف کی خدمت سے مشرف فرما۔ اہلِ بیت کرام واصحابِ عظام رضی اللہ عنہم کی دوستی میں ثابت قدم رکھ مجھے اور میرے ہاتھ پر جنھوں نے بیعت کی ہے اُن سب کو پیرانِ کبار کے زمرہ میں محشور کر۔ اور اس تفسیر کے معاونین کو اور اس ریاست حیدر آباد دکن

کے والی کو ہدایت دے کر دونوں جہان میں خوش و خرم رکھ اور انکے دشمنوں کو پامال کر۔ آمین۔

اما بعد یہ فقیر سراپا تقصیر ابوالوفا عمر تخلص خلیق کان اللہ لہ عرض کرتا ہے کہ ایک مدت سے قرآن مجید کا عاشق ہے۔ اسیکی تلاوت اسیکا درس اسیکا بیان ہے ؎

ل کتابک حولی لا یفارق مضجعی	وفیہا شفاء للذی انا کاتم

چونکہ ہمارے وصول الی اللہ کا ذریعہ اگر ہے تو قرآن ہے۔ اسیکو سمجھنا اسی پر چلنا اسی میں ایسے محو ہونا کہ خود متکلم سے کلام کو سننا ہی ہماری معراج ہے۔ خیال ہوا کہ ہم عدم آباد کو عنقریب میں آباد کرنے والے ہیں تو اس کتاب الٰہی کی اس طرح خدمت کرنی چاہیئے کہ عالم وجود و شہادت میں ہمارے بعد بھی ہمارا نشان باقی رہے۔ گو ہم فانی ہوجائیں لیکن باقی کی معیت سے ہمیں بھی بقا نصیب ہو جائے۔ چنانچہ اس خیال کا اس طرح ظہور ہوا کہ میرے طریقتی بھائیوں نے جنھوں نے مجھ سے حب فی اللہ کا عہد کیا۔ اور میرے مرتے تک اس دوستی کے نبھانے کا وعدہ کیا ہے وہ اپنی سچی دوستی کا اظہار کرنے لگے۔ اور اس تفسیر کے طبع کے معاون ہوے۔ **اب** تحریر تفسیر نصف آخر سے شروع ہوی۔ اس لئے کہ یہ عاصی کئی سال سے مکہ مسجد حیدرآباد دکن میں بعد نماز جمعہ قرآن مجید کا ہی بیان ابتدا سے کر رہا تھا۔ اس مشورہ کے وقت پارہ سبحان الذی سے شروع ہونے والا تھا۔ یہی رائے قایم ہوی کہ اس جز سے کہ قصۂ معراج بھی ہے تقریر کے ساتھ تحریر کی بھی ابتدا کی جائے۔ اور اللہ سے امید رکھی جائے کہ اسے قبول فرما کے ہمارے لئے باقیات صالحات کردے۔

ل تیری کتاب مجھ سے دم بھر جدا نہیں ہوتی۔ اُس میں میرے درد دل کی دوا ہے۔ سے بخصوص ان میں دو محب و برادران طریقتی جناب حاجی مولوی محمد عبدالعزیز صاحب قادری مصنف عز الاخلاق و باغ و بہار عزیزی و جناب حاجی حکیم مولوی محمد رکن الدین صاحب قادری نے ذمہ لیا کہ ہم اس کے طبع کروانے کا بندوبست کرتے ہیں۔ تو اُسکی تفسیر و ترجمہ تحریر کر۔ للہ الحمد کہ اس کے بعد بہت سے احباب اس تفسیر کے طبع میں معاون ہوے جن کے اسمار گرامی ہر حصۂ تفسیر میں درج ہوا کرتے ہیں۔ اور بھی جناب حکیم حاجی مولوی محمد شرف الدین صاحب قادری مدراسی اور محب و برادر طریقتی جناب محمد حسین صاحب صدیقی قادری مدراسی نے ایک رقم معتد بہ نذر تفسیر کی اور برخوردار روحی محمد نور عبدالجبار صاحب نے اہتمام طبع تفسیر اپنے ذمہ لیا۔ جزاھم اللہ خیرا الجزا ۱۲

للہ الحمد کہ یہ کام شروع ہوا۔ اور اسمیں ترجمہ کی طرف پہلے توجہ کی گئی۔ اور جہاں تک ہو سکا محاورہ اور الفاظ دونوں کا خیال رکھا گیا۔ لیکن عربی زبان اسقدر وسیع ہے کہ ترجمہ کے لئے اردو زبان میں الفاظ نہیں ملتے۔ پھر کلام الٰہی جو معدنِ فصاحت و بلاغت ہے اُس کا ترجمہ اسیطرح ہے گویا حسین آدمی کی تصویر۔ کہ صورت تو ہے لیکن جان نہیں۔ آدمی کے لئے جس طرح جان ہی کلام کے لئے فصاحت و بلاغت ہی۔ پھر بلاغت بھی وہ کہ تمام فصحاے عرب سے اسی کلامِ عربی میں نہ ادا ہو سکی تو ترجمہ میں وہ بلاغت کس طرح باقی رہے گی۔ چنانچہ آیتِ سورہ نمل کو دیکھو (جہاں اب ہم تفسیر لکھتے لکھتے پہونچے ہیں) وہ یہ ہے وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ۔ اب ہم نبا کا ترجمہ سوائے خبر کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ پہلے وہ صنعتِ بدیع جو سبا و نبا میں ہے فوت ہو گئی۔ اور وہ فواصل کا لطف جو پہلی آیت میں العائبین۔ دوسری میں مبین۔ اس آیت میں یقین ہی وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ کیونکہ ہم ترجمہ خبرِ یقینی یا یقینی خبر کریں گے۔ اس کے علاوہ نبا کے معنے ایسی خبر کے ہیں جو باوقعت اور شان دار ہو یہ حُسن پر حسن ہی۔ اب ترجمہ میں اگر خبر کے ساتھ باوقعت اور شان دار بڑھایا جاوے تو علاوہ الفاظ کی زیادتی کے پھر بھی نہ وہ وقعت رہیگی نہ وہ شان۔ یہی سبب ہے کہ ہر مترجم نے اپنے ترجمہ میں بہت ہی کوشش کی بعض لوگوں نے۔ لفظی ترجمہ اختیار کیا وہ اسیبات پر خوش ہیں کہ ہم نے تو کچھ کم و بیشی نہ کی جس طرحکا اسیطرح ترجمہ کر دیا۔ لیکن فصاحت کا خیال بھی ضرور تھا۔ اور بعض اشخاص نے بامحاورہ ترجمہ کیا اور لفظ کا خیال نہ رکھا۔ لیکن الفاظ کا خیال رکھنا بھی لازمی تھا۔ مثلاً لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ کا ترجمہ کیا کہ میں تجھے قید کر دونگا۔ حالانکہ یہ لَأَسْجُنَنَّكَ کا ترجمہ ہے۔ پھر ان الفاظ کی زیادتی میں کوئی نہ کوئی سبب ہی۔ چنانچہ ہم نے ایسے مواضع پر اپنے ترجمہ میں تصریح کی ہی۔ اسیطرح کوئی محذوفات و مقدرات یا بطورِ تفسیر جو الفاظ ہوں وہ بین القوسین لکھکر اکثر جگہ اس کا ماخذ بھی حاشیہ میں لکھدیا ہے۔ غرض لفظ و معنی دونوں کا خیال [ر]کھکر ترجمہ کیا گیا ہی لیکن جہاں ہمارا محاورہ لفظوں کے مطابق نہ ہوا تو اس وقت میں بہت دشواری پیش آئی ہے۔ آخر تحرّی سے جس جانب ترجیح معلوم ہوی اُسیکو اختیار کیا۔ اور بہتری کو ڈھونڈنا ہوا

تفاسیرِ معتبرہ سے بہت چھان بین کی گئی۔ پھر بھی جو غلطی صادر ہو گئی ہو تو ناظرینِ تفسیر سے امید ہے
کہ اُس سے آگاہ فرمائیں تا مستقل طور پر ترجمہ چھپنے کے وقت اُسکی رعایت رکھی جائے۔ اور اس کا
نام **تفسیرِ قادری** اور تاریخی نام **کشف القلوب** له رکھا گیا جس کے عدد (۱۳۱۹) تیرا سو انیس
ہوتے ہیں اب تک ۱۳۲۲ تیرا سو چوبیس شروع ہے اس پانچ سال میں پانچ پارے ہوئے۔ خیال ہوا کہ
زندگی مثلِ حباب ہے۔ اس کا کچھ بھروسہ نہیں بہتر ہوگا کہ اس تفسیر کا مقدمہ لکھا جائے۔ اگر
میری زندگی میں تفسیر کامل نہ ہوئی تو خدا جسے توفیق دے وہ کامل کر دیگا سه وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔ اس **تفسیر** میں یہ چند امور پیشِ نظر رہے ہیں۔ نقلِ آثار تفسیرِ
ابنِ کثیر و ابنِ جریر سے لیکن بعض جا بعض کثیر نے ماخذ نہیں بتلایا یا یہ کہ ایک دو کتابوں کا ماخذ
بتلا یا یا یہ کہ صرف ابنِ جریر نے اپنی سند سے اپنی تفسیر میں لکھا جب ہم نے تفسیر درِ منثور میں دیکھا تو اس سے
زیادہ ماخذ ملے تو ہم نے اس طرح (در) کر کے حوالہ دیا لیکن یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ **تفسیر** ته ابنِ جریر و

له (۱) سبحان الذی (۲) قال الم اقل لک (۳) اقترب (۴) قد افلح المؤمنون (۵) وقال الذین لا
یرجون۔ سه جس طرح تفسیر جلالین کو دو مصنفوں نے کامل کیا ہے۔ اگر اللہ تعالے چاہے تو اپنے فضل و کرم سے
میرے دو فرزندوں (ایک سید محمد بادشاہ جو میرے والد کا ہم نام ہے۔ دوسرے سید علی زین العابدین) کو عمر طبیعی
کو پہنچا کر اور علم و فضل عنایت فرما کے اس تفسیر کی تکمیل کروائے تو بھی کچھ بعید نہیں ہے۔ چنانچہ یہ فقیر بھی چار
سال میں یتیم ہو گیا۔ اور سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا تھا۔ لیکن اس مربیِ حقیقی نے کس ناز و نعمت سے پالا۔
آخر میں سب سے بڑی نعمت یہ سرفرازی کی کہ اپنی کتابِ پاک کی خدمت میں مشغول کیا ؎

ہم گرچہ نہیں لایقِ دربار تمھارے — کہلاتے ہیں پر بندۂ سرکار تمھارے
اچھے رہیں نزدیک بُرے جائیں کدھر کو — گل میں تو تمھارے ہیں و گر خار تمھارے
ہوں تو بد خُلق اور کہتے ہیں خلیق — آپ ہی کا ہے یہ سب صدقہ حضور

ته یہ تفسیر بڑی معتبر تفسیر ہے مصنف کا نام ابو جعفر محمد طبری ہے ۳۱۰ھ میں انکا انتقال ہوا۔ علامہ نووی فرماتے
ہیں کہ مثل تفسیرِ طبری کوئی تفسیر تصنیف نہیں ہوئی۔ ابو حامد اسفرائنی نے فرمایا اگر کوئی شخص تفسیرِ ابنِ جریر کی

ابن کثیر[ل] مین بھی موجود ہی - چونکہ یہی دو تفسیرین نقل آثار مین نہایت عمدہ ہین اور در منثور[ٹ] مین رطب
ویابس سب جمع ہے (لیکن مصنف نے ہر ایک کتاب کا نام ذکر کر دیا ہے جس سے ذی علم رطب
ویابس کو پہچان سکتا ہے) اسمین مصنف پر کوئی اعتراض نہین اسی لئے ہم نے صرف اُسپر اعتماد
نہین کیا بلکہ یہ دونون تفسیرون سے اُسکی تصحیح کرکے پھر ہم نے اپنی تفسیر مین اُسے نقل کیا - در منثور کے
صفحات الٹ پلٹ کر چند حدیثین صحیح نقل کی ہین - تفسیر معالم التنزیل[ٹ] سے بھی اخذ کیا ہی **اسیطرح**
تفسیر کبیر[ھ] و تفسیر نیشاپوری[ھ] و تفسیر بیضاوی[ٹ] اور اس کا حاشیہ خفاجی[ٹ] اور تفسیر ابو السعود[ٹ] و تفسیر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) حاصل کرنے کے لئے چین کا سفر کرے تو کچھ بڑی بات نہین ہی (کشف الظنون) بحمد للہ کہ وہ تیس
جلدون مین چھپکر مصر سے حیدر آباد آگئی - اب اس فقیر کے پیش نظر ہے - ہر حدیث کی سند مصنف نے لکھی ہے -
لیکن فقیر نے بہ حذف سند ترجمہ نقل کیا ہی جس کو منظور ہو وہ اصل دیکھ لے - ایک ابن جریر شیعہ اور کرامیہ بھی ہے
اس سے آگاہ رہنا ضرور ہے ل تفسیر ابن کثیر امام حافظ ابو الفدا اسماعیل بن عمر قریشی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ کی تصنیف ہے
اور یہ بڑی کتاب دس جلدون مین ہی - احادیث و آثار کو نقل کرکے جہان احتیاج ہوی ہے جرح و تعدیل بھی کی ہے
(کشف الظنون) فقیر کہتا ہی یہ تفسیر نہایت ہی معتبر ہے اور مطبوع ہو چکی ہے ٹ اس کا نام الدر المنثور فی التفسیر بالماثور
چند جلدون مین ہی شیخ جلال الدین عبد الرحمن بن سیوطی کی تصنیف ہی انکی وفات ۹۱۱ھ مین ہوی اور وہ بیان کرتے
ہین کہ جب مین نے تفسیر ترجمہ بالقرآن کو لکھا - اور اسکی تحصیل مین لوگون کی ہمتون کو پست پایا تو مین نے اس سے
متون احادیث کی تلخیص کر لی اور یہ تفسیر متداول ہی (کشف الظنون) ٹ امام محی السنۃ ابی محمد حسین بن مسعود الفرا البغوی
الشافعی کی تصنیف سے ہی - انکی وفات ۵۱۶ھ مین ہوی یہ کتاب متوسط ہی اسمین مفسرین صحابہ اور تابعین وغیرہم کے
آثار ہین (کشف الظنون) ھ تفسیر کبیر جس کا نام مفاتیح الغیب ہی علامہ فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ کی تصنیف ہی (کشف الظنون) نقل احادیث
مین اسکا اعتبار کم ہی باقی اسمین سب کچھ ہی ھ تفسیر نیشاپوری جسکا نام غرائب القرآن و رغائب الفرقان علامہ نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری کی تصنیف ہی
وہ کہتے ہین کہ مین نے تفسیر کبیر کو مختصر کیا ہی اور اس کے سوا اکثر تفاسیر کو جمع کیا ہی الخ (کشف الظنون) یہ کتاب تفسیر ابن جریر کے حاشیہ پر طبع ہو چکی ہی تاویل
نجم الدین[ت] ایسے نقل کی ہی ٹ اسکا نام انوار التنزیل و اسرار التاویل ہی قاضی ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی کی تصنیف ہی انکی
وفات تبریز مین ۶۸۵ھ مین ہوی اس کتاب مین اعراب معنی و بیان کے جو کچھ متعلق ہی وہ کشاف سے ملخص ہی - اور جو کچھ حکمت و کلام سے متعلق ہی وہ تفسیر کبیر سے
اور جو کچھ اشتقاق غوامض و حقائق و لطائف اشارات سے متعلق ہی وہ تفسیر راغب اصفہانی سے ملخص ہی - اور باقی وجوہ معقولہ اور تصرفات مقبولہ انکے طبع زاد ہین
تمام سورتون کے آخر مین جو اکثر احادیث ہین انمین مسامحہ کیا ہی اور اسکے بہت سے حواشی ہین (کشف الظنون) علی تقریح کر دی ہی کہ وہ احادیث ضعیفہ بلکہ موضوعہ ہین -
ٹ اسکا نام عنایۃ القاضی ہی اسکے مصنف شیخ احمد بن محمد بن عمر انکا لقب شہاب الدین خفاجی مصری حنفی قرن حادی عشر کے ہین اس کا نام

بیان تفسیر ابن کثیر
بیان تفسیر در منثور - بیان تفسیر بغوی - تفسیر کبیر - تفسیر نیشاپوری - تفسیر بیضاوی - حاشیہ خفاجی

خازن[۱] و تفسیر مدارک[۲] و تفسیر جلالین[۳] و تفسیر خطیب[۴] وغیرہ سے ادب کے نکات ربط بین الآیات۔ عقلی باتین۔ تراکیب صرف و نحو کو نقل کیا ہے۔ لغت کی تحقیق اکثر کتب لغت سے کی اور مفردات راغب سے جو لغت قرآنی مین عمدہ کتاب ہے اور یہ کتابین طبع ہو چکی ہین۔ نحو کی زیادہ تحقیق منظور ہوی تو مغنی اللبیب اور اتقان وغیرہ کی طرف رجوع کیا۔ کسی وقت تحقیق احادیث خود کتب حدیث سے کی۔ فقہی مسائل مین فقہ کی جانب رجوع کیا اور اکثر جگہ چارون مذہب کا ذکر کیا۔ سبعہ قرارت مین شاطبی اور غیث النفع کو پیش نظر رکھا۔ کیونکہ استادی سید القرار جناب سید محمد تونسی مدنی مدظلہ سے اسی طرح سنا ہے۔ قرارت کی تحقیق تفسیر سے ہرگز ممکن نہین۔ بلکہ ہر ایک علم کو اسی علم کی کتب سے تحقیق کرنا چاہئے۔ جہان حالات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم لکھے کتب سیر کی طرف رجوع کیا۔ تاریخی حالات مین تاریخ کامل وغیرہ پیش نظر رہی علاوہ اس کے تصوف وغیرہ کو عرائس البیان[۵] و تفسیر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی و تفسیر روح البیان

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم ہے اس کے مصنف مفتی ابو السعود بن محمد عمادی حنفی ہین۔ جن کی وفات ۹۵۱ھ مین ہوی۔ (کشف الظنون) [۱] اس کا نام لباب التاویل فی معانی التنزیل ہے اس کے مصنف علاء الدین علی بن محمد بغدادی مشہور بہ خازن ہین ۷۴۱ھ مین آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نے معالم تنزیل بغوی کو منتخب کیا ہے۔ اور صحیحین سے احادیث کو بھی نقل کیا ہے۔ اور پھر غریب حدیث کی شرح بھی کی ہے (کشف الظنون) [۲] مدارک التنزیل وحقایق التاویل حافظ الدین عبد اللہ بن احمد نسفی کی ہے (اس کے مصنف حنفی ہین) انکی وفات ۷۱۰ھ مین ہوی (کشف الظنون) [۳] یہ تفسیر اول سے آخر سورۂ اسرا تک جلال الدین محلی شافعی متوفی ۸۶۴ھ کی تصنیف ہے جب وہ مرگئے جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اسے تمام کیا اور الحمد کی تفسیر بھی آپ ہی نے لکھی کیونکہ محلی نے اسکی تفسیر نہین لکھی تھی یہ تفسیر صغیر الحجم کثیر المعنی ہے اس لئے کہ وہ خلاصہ تفاسیر ہے۔ بعضے علماء مین سے کہا کہ مین نے حروف قرآن و تفسیر کو حساب کیا تو دونون کو سورۂ مزمل تک مساوی پایا اور سورۂ مدثر سے تفسیر قرآن سے زاید ہے پس اس بنا پر اس تفسیر کا بغیر وضو کے اٹھانا جایز ہے (کشف الظنون) [۴] اس کتاب کا نام سراج المنیر ہے اس کے مصنف شیخ خطیب شربینی ہے چار جلدون مین ہے ربط درمیان آیات خوب بیان کرتے ہین۔ [۵] عرائس البیان فی [illegible] کے مصنف شیخ ابی محمد روزبہان بقلی شیرازی صوفی ہین انکی وفات ۶۶۶ھ مین ہوی یہ تفسیر اہل تصوف کی طریقہ پر [illegible] مین چھپ گئی ہے اسی کے حاشیہ پر تفسیر شیخ محی الدین عربی بھی ہے۔ یہ بھی تفسیر بطور تصوف ہے [۶] شیخ حقی کی [illegible] سے اکثر اشعار نقل کرتے ہین۔ تصوف کے بہت سے باتون کو جمع کیا ہے استنبول مین چھپ گئی ہے روح المعانی [illegible] مفتی بغداد آلوسی کی تصنیف سے ہے۔ ۱۲

وتفسیر مہایمی[1] وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ کبھی کتبِ تصوف سے بھی مضامین لکھے ہین۔ کبھی اپنے قلبِ ناقص کی طرف رجوع کرکے بھی کچھہ نہ کچھہ تحریر کیا ہے۔ اس کے سوا جس کسی بد مذہب کی نئی تصنیف دیکھنے مین آئی اس کا تار تار الگ کر دکھایا۔ اور اصل باعث تفسیر لکھنے کا یہی ہوا کیونکہ جن مذاہب کا تفاسیرِ قدیمہ مین رد مذکور ہے بعض وہ مذاہب اسوقت نہین ہین۔ بلکہ اسکی جاے نئے نئے فرقے پیدا ہوگئے ہین۔ اس لئے تفسیر مین بھی اُن کے رد کی ضرورت ہوئی۔ ایک بات اس تفسیر مین یہ بھی ہے کہ ضروری مضامین عام فہم متن مین جلی قلم سے لکھے اور دوسرے ابحاث جو علمی ہین یا بطورِ اشاراتِ تفسیر ہین انھین خفی قلم سے حاشیہ مین لکھا تا ظاہر و باطن مین فرق باقی رہے۔ وقتِ تحریر حضورِ قلب کے لئے اسطرح تنبیہ ہوتی رہی کہ کہین تفسیر مین مشغول ہوکر صاحبِ کلام کو نہ بھول جانا۔ بسا اوقات وقتِ تحریر مخلوق کی مدح کا خطرہ آیا۔ ریاکاری و مکّاری نے اپنا گھر جمایا۔ دلی حالت متغیر پاتا تھا۔ بے اختیاری سے یہ زبان پر آتا تھا۔ کہ اے دلون کے پھیرنے والے میری مکّاری کو خلوص سے۔ اور میری ریا کو تو اپنی رویت سے بدل دے۔ مجھے مخلوق مین خالق نظر آئے۔ کثرت مین وحدت جم جاے تیرے سے تعلّق جوڑکے مخلوق کا خیال ہرگز نہ کرون۔ کہین ایسا نہ ہو کہ عبید کے خیال مین ربّ الارباب کو بھولون۔ آپ کے در کا مردود کس طرح مقبول ہو۔ آپ کا مقبول تمام عالم کے رد سے کب مردود ہو سکے۔

مقبولِ خلایق ہیں کہ مردودِ خدا ہیں	اب تک ہمیں معلوم نہین کون ہیں کیا ہین

تیری رحمت سے بڑی امید ہے کہ تو اپنے ہی طلب مین ماریگا۔ اور تیرے حبیب کی شفاعت سے بڑی آس ہے کہ ہمارے سر سے یہ گناہوں کا بھاری بوجھ اتر جائیگا۔

نہ کر حساب ہمارے گناہ بے حد کا	الٰہی تجھکو غفورٌ رحیم کہتے ہیں
کہیں کہیں نہ عدد دیکھکر ہمیں محتاج	یہ اُن کے بندے ہیں جنکو کریم کہتے ہیں

[1] اس تفسیر کا نام تفسیر رحمانی ہے مصنفا سکے شیخ علی بن احمد مہایمی ہین۔ آپکی وفات ۸۳۵ھ مین ہوئی۔ ۱۲

پہلے یہ چند فوائد جاننا چاہئیے کہ جس مین مفسّر کو ضرورت پڑتی ہے (**پہلا فائدہ**) قرآن کی تفسیر[١] قرآن سے چاہئیے پہر حدیث[٢] سے کی جائے۔ اس کے بعد صحابہ[٣] کے کلام سے۔ وہ بھی نہ ملے تو اکثر

---

[١] کیونکہ القرآن یفسر بعضہ بعضا۔ اس لئے کہ اگر ایک جگہ مین اجمال ہے تو دوسری جاے بسط ہے۔ [٢] کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے کلام سے خوب واقف تھے۔ اور حدیث سے ہی قرآن کا مطلب معلوم ہوتا اور سمجھ میں آتا ہے۔ بلکہ امام شافعی فرماتے ہین کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ آپ نے قرآن سے ہی سمجھا ہے چنانچہ خود اللہ تعالے فرماتا ہے وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قرآن دیا گیا۔ اور مثل اُس کے اس کے ساتھ دیا گیا۔ (یعنے احادیث) خبرِ متواتر علمِ یقین کو واجب کرتی ہے۔ جس طرح عیان و مشاہدہ علمِ ضروری کو واجب کرتا ہے۔ اور خبرِ مشہور علم طمانینت واجب کرتی ہے۔ اور خبرِ واحد (جسے ایک راوی یا اس سے زیادہ نے روایت کی ہو) عمل کی موجب ہے۔ اس خبرِ واحد پر عمل کرنا قرآن سے۔ حدیث سے اجماع سے معقول سے ۰) ثابت ہے **قرآن** کا ثبوت فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ سے ہے یعنے اللہ تعالی فرماتا ہے کہ کس لئے ہر ایک جماعتِ کثیرہ سے ایک طایفہ قلیلہ اپنے گھرون سے نہ نکلا تاکہ دین مین سمجھ حاصل کرتا اور انھین ڈراتا جس وقت یہ طائفہ اُس فرقہ کی طرف لوٹتا۔ شاید ان کے ڈرانے سے وہ فرقہ بھی حذر کرتا۔ اللہ تعالے نے اس آیت مین فرقہ کو اس طایفہ کا قول قبول کرنیکا حکم فرمایا ہے۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ خبرِ واحد عمل کے لئے موجب ہے۔ کیونکہ طایفہ ایک یا اُس سے زاید کا نام ہے۔ **حدیث** سے خبرِ واحد پر عمل کرنا ثابت ہے بخاری صاحب نے اسکا ایک مستقل باب باندہا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کے قول کو قبول فرمایا تھا۔ اور حضرت علی اور معاذ کو یمن کی طرف قضاءت پر بھیجا تھا۔ ایلچی بھی روانہ فرماتے تھے۔ اور اُنکی خبر کو بھی مانتے تھے۔ **اجماع** جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ بیان فرمائی۔ تمام اصحاب نے اسے بغیر انکار قبول کرلیا۔ اسیطرح پانی کی طہارت و نجاست مین قبولِ خبرِ واحد پر اجماع ہے **معقول** اسطرح کہ خبرِ متواتر و مشہور ہر ایک حادثہ مین نہین پائی جاتی۔ اگر کسی حادثہ مین خبرِ واحد رد کی جائے تو احکامِ شرعیہ بالکل معطل ہو جاوین گے۔ چنانچہ ثبوتِ نسب و قتل وغیرہ کا مدار اسی خبرِ احاد پر ہے۔ (نورالانوار وغیرہ) [٣] کیونکہ وہ نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے اور اسوقت کے قرائن و احوال سے انھین کو خصوصیت ہے اور وہ علمِ صحیح و فہمِ تام و عملِ صالح مین ہم سے ہزارون درجے بڑہے ہوے تھے خصوص اُن کے علما و فضلا جس طرح خلفاء اربعہ و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم ۱۲

خبرِ واحد کا بیان۔

علما فرماتے ہین کہ تابعین کے متفق اقوال کی طرف رجوع کیا جاے۔ جس طرح مجاہد بن جبیر کہ آپ تفسیر کے بڑے ماہر ہین۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے تلمیذ رشید ہین۔ اور سعید بن جبیر اور عکرمہ (جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مولے ہین) اور عطا ابن رباح و حسن بصری و مسروق بن اجدع و سعید بن مسیب و ابو العالیہ و ربیع بن انس و قتادہ و ضحاک بن مزاحم اور ان کے سوا جو تابعین ہین۔ اگر تابعین کے اقوال تفسیر مین متفق ہوں تو وہ حجت ہیں۔ ورنہ نہیں۔ لیکن بعض نادان کبھی الفاظ کے اختلاف سے اُسے حقیقی اختلاف سمجھ جاتے ہین حالانکہ معنی کے لحاظ کرتے سب اقوال ایک ہی ہین۔ اور جب تابعین میں باہم اختلاف ہو تو لغت قرآن و لغت حدیث یا عموم لغت کی طرف رجوع کیا جاے۔ جس مفسر نے ان امور کا خیال نہ رکھا اور اپنی عقل سے تفسیر کی تو خود حرام کا مرتکب ہو کر گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا قرآن مین اسکی حرمت موجود ہے۔ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ تو بے شک جو شخص قرآن کی تفسیر مین اپنے گمان سے کہے گا گو وہ صحیح ہو تو وہ انھین لوگون مین سے ہوگا کہ جو اللہ کی جانب ایسی بات منسوب کرتے ہین جسکا انھیں علم نہیں اور صحیح حدیث مین ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ أَوْ بِمَا لَا يَعْلَمُ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ یعنے جو شخص

تفسیر قرآن میں عقل سے کام لینا

لہ مجاہد فرماتے ہین کہ مین نے قرآن کو سورۂ فاتحہ سے خاتمہ تک تین مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر پیش کیا مین ہر آیت پر آپ کو ٹھہراتا تھا اور اس آیت کے متعلق آپ سے سوال کرتا تھا (ابن کثیر از محمد بن اسحٰق) ٢ہ کیونکہ کوئی شے کی نظیر سے یا اس کے لازم سے تعبیر کرتے ہین۔ اور کوئی بعینہ تصریح کرتے ہین تو سبکا معنے ایک ہوتا ہے تو ایسے وقت مین عقلمند آدمی کو اپنی ذکاوت سے کام لینا ضرور ہے۔ ٣ہ ڈاکٹر احمد خان علیگڑہی ٤ہ ترمذی و نسائی وغیرہ (ابن کثیر) ٥ہ یہ احمد خان علی گڑہی اور اُس کے متبعین شبلی و حالی و مہدی علی خان و حیرت وغیرہ قرآن کی تفسیر مین جا بجا عقلی گھوڑے دوڑاے ہین۔ اور وجود ملائکہ اور معجزات وغیرہ کا انکار کیا ہے۔ اور دعوے یہ کرتے ہین کہ سائنس کو اسلام سے تطبیق دی جاتی ہے اور حق بات تو یہ ہے کہ انھوں نے اسلام و ایمان سے ہاتھ دہو کر صرف عقل کے

کہ قرآن مین اپنی عقل سے یا اس شے سے کہ جس کا علم نہ ہو بیان کیا تو چاہئے کہ وہ اپنی جگہ دوزخ مین تیار کر لے اور ایک روایت کے لفظ یہ مین۔ مَنْ قَالَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ بِرَایِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَأَ یعنے اگر اس نے نفس الامری معنی بیان کیا تو بھی خطا کی۔ اس لئے کہ اس نے تکلف سے اسکا جواب دیا جس کا اُسے علم نہ تھا۔ اور نہ اسے جہالت سے جواب دینے کا حکم تھا چنانچہ تہمت لگانے والے جب چار شخص نہ ہوں تو گو وہ واقعی زنا کو نظر سے دیکھے ہون لیکن اللہ تعالے اُن کو کاذب فرماتا ہے فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّہَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنْدَ اللّٰہِ ھُمُ الْکَاذِبُوْنَ ۝ یہ اس لئے کہ انھیں جس خبر کے بیان کرنے کا حکم نہ تھا انھوں نے کیوں بیان کیا اگرچہ اس نے مطابق واقع خبر دی ہے۔ اسی طرح قرآن کی تفسیر کا حال ہے چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ جب مین کتاب آلہی سے ایسی بات بولون جس کا مجھے علم نہین ہے تو کونسی زمین مجھے اُٹھائے گی اور کونسا آسمان مجھپر سایہ فگن ہوگا۔ ہان جو کلام عرب کا ماہر ہو اور احادیث و آثار مین اُس آیت کے متعلق کچھہ ذکر نہ ہو تو اسوقت اپنی فکر سے استدلال کرنے مین کچھہ خوف نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالے فرماتا ہے وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَہُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَہٗ مِنْھُمْ اور فرمایا اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا اور ابو نعیم وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کی اَلْقُرْاٰنُ ذُوْ وُجُوْہٍ فَاحْمِلُوْہُ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یا بند ہو گئے۔ اگر ملائکہ کا اس لئے انکار ہے کہ وہ محسوس نہین ہوتے تو پہر انھون نے خدا کو کونسے حواس سے پایا ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ لوگ خدا کو بھی برائے نام مانتے ہین اس لئے صاف کہدیا کہ "الاسلام ھو الفطرۃ والفطرۃ ھو الاسلام۔ اگر زندگی باقی ہے تو انشاء اللہ کوئی مستقل رسالہ ان کے رد مین بھی لکھا جائیگا اور چونکہ حق بات کسی کے چھپائے نہین چھپتی۔ خود حالی نے حیات جاوید کے صفحہ ۲۳۲ مین اسطرح لکھا۔ کہ اگرچہ سرسید نے اس تفسیر مین جا بجا ٹھوکرین کھائی ہین اور بعض بعض مقامات پر اس سے نہایت رکیک لغزشیں ہوئی ہین الخ سلہ اسیطرح اور آثار صحیحہ ائمہ سلف سے مذکور ہیں کہ بغیر علم تفسیر بیان کرنے کو گناہ سمجھتے تھے۔ دیکھو تفسیر ابن جریر مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۵-۱۲

عَلٰے اَحْسَنِ وُجُوْهِهٖ ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کے لئے اس طرح دعا کی ۔ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ ۔ اور صحیح بخاری مین حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی شے سے آپ کو خاص کیا ہے تو فرمایا کہ "ہمارے پاس اس صحیفہ میں جو کچھ ہے اس کے سوا کچھ نہیں، یا ایک سمجھ ہے کہ آدمی کو کتاب الٰہی مین دی جاتی ہے"۔ **کلام صوفیہ** جو قرآن میں ہے وہ اشارات اُن باریکیوں کے طرف ہیں جو سالکوں کے لئے کشف ہوتے ہیں اور ظاہر معنی سے اُسکی تطبیق ممکن ہوتی ہے اور یہ کمال ایمان اور محض عرفان ہے ۔ اور جو شخص

لہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اپنی تفسیر مین بعض بعض جائے تاویل آیات بطور اشارات بیان کرتے ہیں اور ابتدائے کتاب میں اسکی صراحت کردی ہے کہ حدیث مین آیا ہے قرآن کی ہر آیت کو ظہر و بطن ہے ۔ اور ہر حرف کی حد ہے اور ہر حد کو سمجھنے مین ٹھر جاتے ہین اور مطلع وہ ہے کہ جہان سے طلوع ہونے کے بعد شہود ملک علام ہوتا ہے حضرت امام جعفر صادق علی جدہ و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے لَقَدْ تَجَلَّى اللّٰهُ لِعِبَادِهٖ فِيْ كَلَامِهٖ وَلٰكِنْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۔ یعنے اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لئے اپنے کلام مین تجلی فرمائی ہے لیکن وہ نہیں دیکھتے اور آپ سے مروی ہے کہ ایک دن نماز مین بیہوش ہوکر گر پڑے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ مین ایک آیت کو بار بار پڑہتا یہان تک کہ اس کے متکلم سے اُسکو سن لیا ۔ پھر شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فرماتے ہین کہ جو یہ تاویلات ہین ظواہر اور حدود کے متعلق نہیں کیونکہ اُسکی حد مقرر ہے اسی واسطے کہا گیا کہ جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے تو وہ کافر ہے اور تاویل باقی الخ اس سے معلوم ہوگیا کہ بعضے دہریون اور بعضے خام صوفیوں نے صرف اسی باطنی معنے پر قناعت کرکے دوزخ وغیرہ کا انکار کیا ۔ ان کو چاہئے تھا کہ مدینہ کے موجود ہونے کا اور موسےٰ اور عیسےٰ علیہما السلام کے وجود کا بھی انکار کرتے کیونکہ شیخ نے اسکی بھی تاویل کی ہے ۔ ع خوشتر بدا بہانہ سبیا ۔ کا حال ہے ۔ ہم صاف کہدیتے ہین کہ جو ظاہری قرآن کے معنے کا انکار کرے وہ کافر ہے ۔ اس کے کفر مین کسیکو کلام نہین ۔ ہان اس معنے پر ایمان لاکر بطور اہل ذوق اسکے دوسرے معنے بھی سمجھے تو کچھ مضایقہ نہین ہے بلکہ حقیقت مین یہ انھیں کو نصیب ہوتا ہے جو اہل معرفت ہین ۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی وغیرہ مین اسکی تشریح ہے ۔ ۱۲

یہ اعتقاد کرے کہ ظاہر معنی ہرگز نہیں اور صاف باطنی معنی ہی مقصود ہیں تو یہ اُن ملحدوں کا اعتقاد ہے جو شریعت کی بالکل نفی کرتے ہیں۔ صوفیۂ کرام کا ہرگز یہ اعتقاد نہین بلکہ وہ یہ فرماتے ہین کہ احکامِ تفسیرِ ظاہر کو حاصل کرکے اسرارِ قرآنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ ورنہ بغیر دروازے میں داخل ہوے گھر کے اندر پہونچنا ممکن نہین۔ اب جس کسی کو تھوڑی سی بھی عقل ہو وہ اس بات کا انکار نہ کرے گا کہ قرآن مجید بہت سے باطنی معنی کو شامل ہے کیونکہ مبدأ فیاض اپنے بندون مین سے جس بندے کے باطن پر چاہے ان معانی مخفیہ کو ظاہر کرے۔ چنانچہ خود فرمایا وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اور ایک مقام پر فرمایا مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ کیسی تعجب کی بات ہے کہ دیوان متنبی کے اشعار کے بہت سے معانی بیان کئے جائین اور قرآنِ مجید میں اس کا انکار کیا جاے **انصاف** کی بات تو یہ ہے کہ اگر کسیکو بسبب کثرتِ علائق کے وہ مقام جو صوفیۂ کرام کو حاصل ہے نہ میسر ہو تو اس کا انکار نہ کرے۔ بلکہ خود کو بیمار سمجھے اور اُن کے لئے اس مقام کا مقر ہووے۔ ه

وَإِذَا لَمْ تَرَ الْهِلَالَ فَسَلِّمْ[۱]	لِأُنَاسٍ رَأَوْهُ بِالْأَبْصَارِ

(**دوسرا فائدہ**) تفسیر اور تاویل کے معنی میں اور اس بات کے بیان مین کہ اس علم کی ضرورت ہے اور یہ علم بزرگ ہے۔ **تفسیر** فسر[۲] سے مشتق ہے جس کے لغوی معنے بیان کشف

---

۱ اور جبکہ تجھے ہلال نظر نہ آے تو جن لوگون نے کہ دیکھا ہے انکی بات کو ماننا ہوگا۔ ۲ علمِ تفسیر وہ علم ہے جس مین نظم قرآن کی معنی سے حسب طاقتِ بشریہ اور موافق قاعدۂ عربیہ بحث ہوتی ہے **مبادی** اس کے علوم عربیہ واصولِ کلام واصولِ فقہ وغیرہ بہت سے علوم ہیں **غرض** اس سے معانیِ نظم کی معرفت ہے۔ **فائدہ** اسکا احکام شرعیہ کو صحیح طور پر استنباط کرنے کی قدرت حاصل ہونا **موضوع** اس کا کلامِ الٰہی ہے جو ہر حکمت کا منبع اور ہر فضیلت کا معدن ہے۔ **غایت** اسکی فہمِ معنی قرآن اور استنباطِ حکم سے سعادت دنیوی واخروی حاصل کرنا ہے۔ اور شرفِ علم اور اسکی بزرگی باعتبار شرفِ موضوع اور اسکی غایت کے ہے۔ بس یہ اشرف واعظم علوم ہے۔ علامہ قطب الدین رازی تعریفِ تفسیر مین لکھتے ہین کہ بہتر ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ علم التفسیر معرفة

تعریف التفسیر

کے ہیں۔ اسکی تعریف یہ ہے کہ وہ ایسا علم ہے جس میں الفاظِ قرآن کی کیفیتِ نطق سے بحث کی جاتی ہے۔ اور ان الفاظ کے مدلولات اور ان کے احکام جو منفرد و مرکب ہونے میں ہوتے ہیں اور اُن کے معانی سے کہ جو حالتِ ترکیب میں مقصود ہوتے ہیں اور اُس کے تتمات سے مثل معرفت نسخ اور سببِ نزول اور وہ قصہ جو قرآن کے ابہام کو واضح کر دے اور مثل اس کے اور تاویل اَول سے مشتق ہے اس کے معنے رجوع کے ہیں۔ اور تفسیر و تاویل میں جو فرق ہے اسمیں اختلاف ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ دونوں کے ایک ہی معنے ہیں اور ماتریدی نے فرمایا کہ تفسیر قطعی طور سے ظاہر کرنا ہے کہ اللہ کی مراد یہی ہے۔ اور تاویل احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو غیر قطعی طور پر ترجیح دینا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ جو روایت کے متعلق ہو وہ تفسیر ہے اور جو درایت کے متعلق ہو وہ تاویل ہے۔ اور بعض نے اس کے سوا کچھ اور کہا۔ لیکن اب عرف میں تاویل اُس اشارۂ قدسیہ اور معارفِ سبحانیہ کو کہتے ہیں کہ جو سالکین کے لئے پردۂ عبارات سے منکشف ہو اور قلوبِ عارفین پر ابرِ غیب سے باراں ہو۔ اور تفسیر اس کے سوا ہے۔ ضرورتِ تفسیر اس لئے ہے کہ قرآنِ عظیم کا سمجھنا جو احکامِ شرعیہ اور مدارِ سعادتِ ابدیہ پر شامل ہے اور وہی عروۂ وثقی اور صراطِ مستقیم ہے اس کا پہچاننا ہم جیسے دکنی اور ہندوستانیوں کو بلکہ اس زمانہ کے عرب کو بھی مشکل ہے۔ لیکن جسے اللہ تعالے ہدایت دے۔ کیونکہ صحابہ باوجود فصاحت میں عالی مرتبہ ہوتے اور ان کے بواطن بسببِ صحبتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منور ہونے کے بہت سے اشیاء میں جسکی تفسیر نہ معلوم ہوتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے۔ بلکہ جب نہ پوچھتے تو خلافِ مرادِ الٰہی سمجھ لیتے۔ جیسے عدی بن حاتم کا واقعہ ہے کہ انہوں نے خیطِ ابیض اور اسود کو بجائے صبحِ صادق اور صبح کاذب سمجھنے کے دھاگا سمجھ لیا۔ پھر ہم تو پرلے درجہ میں اُن سے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) احوال کلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ من حیث القرآنیۃ ومن حیث دلالتہ علی ما یعلم او یظن انہ مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ بقدر الطاقۃ الانسانیۃ فھذا یتناول اقسام البیان باسرھا (کشف الظنون) ۱۲ ۱؎ علم قرارت مراد ہے۔ ۲؎ علم لغت ۳؎ یہ علم صرف و بیان و بدیع کو شامل ہے 12

تفسیر کی قدر و بزرگی

شروط و آداب مفسر

زیادہ اس کی تفسیر کے محتاج ہیں۔ **تفسیر کی قدر و بزرگی** کا بیان یہ ہے کہ شرفِ علم[۲] باعتبار
شرفِ موضوع اور اُس کی غایت کے ہے۔ اور یہ سب باتیں اس میں جمع ہیں۔ اس لئے کہ
اس کا موضوع کلامِ الٰہی ہے۔ جو منبعِ ہر حکمت و معدنِ ہر فضیلت ہے۔ اور اس کا معلوم جو مرادِ
الٰہی ہے جس پر اس کا کلام دال ہے عقایدِ حقہ اور احکامِ شرعیہ کا جامع ہے۔ اور اسکی غایت
عروہ وثقےٰ پر اعتصام کرنا اور سعادتِ دارین حاصل کرنا ہے۔ اور جو آثار کہ اسکی بزرگی پر دلالت
کرتے ہیں وہ بہت ہیں۔ ابن ابی حاتم[۱] وغیرہ بطریق ابن ابی طلحہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ
آپ نے اس قولِ الٰہی یُؤتِی الحِکمَۃَ میں فرمایا کہ یہ قرآن کی معرفت ہے کہ اُس کے ناسخ و منسوخ۔ محکم
و متشابہ۔ مقدم و موخر۔ حلال و حرام۔ اور اس جیسی باتیں پہچانیں۔ (**تیسرا فائدہ**) تفسیر میں
کن کن امور کی احتیاج ہے۔ اور مفسر کو کون کونسے **شروط و آداب** درکار ہیں۔ **تفسیر میں**
جن امور کی احتیاج ہے۔ وہ یہ ہیں (پہلا) علمِ لغت کیونکہ اسی سے شرح مفرداتِ الفاظ اور
اوس کے مدلولات بحسبِ وضع پہچانے جاتے ہیں (دوسرا) معرفت اُن احکام کی جو کلماتِ
عربیہ کو بسببِ افراد و ترکیب کے شامل ہے اور یہ علم نحو سے پہچانا جاتا ہے (تیسرا) علمِ معانی و بیان و
بدیع ہے۔ علمِ معانی وہ ہے کہ جس میں کلام کے اُن حالات سے بحث ہوتی ہے جن کی وجہ سے
کلام مقتضیِ حال اور مقام کے مطابق ہوتا ہے۔ اور جس میں ترکیبِ کلام کی خاصیتیں جس سے
وہ اپنی معنی کا فائدہ دیتی ہیں پہچانی جاتی ہیں۔ اور علم بیان وہ
ہے کہ جس سے ایک مطلب کو باعتبارِ وضاحت و پوشیدگی
کے چند طریقوں سے ادا کرنا معلوم ہوجاتا ہے جس میں ترکیبِ کلام کی خاصیتیں بحیثیتِ مختلف
ہونے کے معلوم ہوجاتی ہیں۔ اور علمِ بدیع وہ ہے کہ اُس سے تحسینِ کلام کے وجوہ معلوم ہوتے
ہیں۔ یعنے کلام کے معنوی اور لفظی خوبیوں کی معرفت حاصل ہوتی ہے (چوتھا) تعیینِ مبہم
اور تبیینِ مجمل اور سببِ نزول اور نسخ کی معرفت ہے۔ اس کا ماخذ علمِ حدیث ہے (پانچواں) معرفتِ

[۱] اسیطرح ابو عبیدہ نے حسن سے اور ابن ابی حاتم نے عمر بن مرہ سے روایت کی ۱۲۔
[۲] شرفِ صنعت یا بسبب شرفِ موضوع شے ہے جیسے کہ صیاغت (زرگری) دباغت سے افضل ہے۔
کیونکہ موضوع صیاغت سونا چاندی ہے جو موضوع دباغت سے بہتر ہے اس لئے کا اسکا موضوع جلدِ مردار ہے۔ یا شرفِ غرض سے ہے جس طرح پیشہ طب خاکروبی کے
پیشہ سے بہتر ہے اس لئے کہ غرض طب صحت انسانی ہے۔ اور غرض خاکروبی بیت الخلا کی صفائی ہے۔ یا شدتِ حاجت جس طرح فقہ کہ اسکی ضرورت
بہ نسبت طب کے زیادہ ہے کیونکہ صلاح دینی و دنیوی اسی پر موقوف ہے۔ بخلاف طب کے کہ بعض لوگوں کو بعض وقت اسکی ضرورت پڑتی ہے ۱۲۔

اجمال وتبیینِ عموم وخصوص۔ اطلاق وتقیید۔ اور دلالتِ امر ونہی اور جو اس کے مشابہ ہووے
اس کے لئے اصولِ فقہ ہے (چھٹا) علمِ کلام ہے کہ کونسی چیز اللہ کے لئے جایز اور کونسی واجب
اور کونسی محال ہے۔ اور نبوت وملائکہ وعالمِ آخرت وغیرہ سے بحث ہوتی ہے۔ اس کا ماخذ علمِ
کلام ہے (ساتواں) علمِ قرأت ہے۔ کیونکہ اُسی سے طرزِ تلفظِ قرآن کی معرفت ہوتی ہے۔ اور علمِ تجوید
بھی ہے کہ جس سے مخارج وصفاتِ حروف معلوم ہوتے ہین۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے علمِ
صرف اور علمِ اشتقاق کو بھی مفسر کے لئے ضروری سمجھا ہے۔ اور علمِ موہبت کی بھی ضرورت ہے
اور وہ ایسا علم ہے کہ جو اللہ تعالے بعد عمل کے نصیب فرماتا ہے۔ جسکی طرف حدیث میں
اشارہ ہے اور اُسی سے اسرارِ قرآنی معلوم ہوتے ہیں (**چوتھا فائدہ**) اہلِ سنت وجماعت نے[1]
فرمایا کہ قرآن کلامِ الٰہی غیر مخلوق ہے۔ مصاحف مین مکتوب ہے۔ اسکی تلاوت زبانون پر جاری ہے۔
کانون سے سنا جاتا ہے۔ باوجود اس کے کسی چیز مین حلول نہیں کیا۔ اور وہ ان سب مراتب[2]
مین قرآنِ حقیقی شرعی ہے۔ **چنانچہ** مرتبہ خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے
کہ قرآن کے اٹھانے والے (یعنے اللہ تعالے نے جن کے سینوں مین قرآن رکھا ہے) وہ لوگوں میں سے

---

[1] وانت اذا امعنت النظر فی قول اهل السنة القرآن کلام الله عزوجل غیر مخلوق وهو مقروء بالسنتنا مسموع باذاننا محفوظ فی صدورنا مکتوب فی مصاحفنا غیر حال فی شیئ منها رأیته قولا بالمظاهر ودالا علی ان تنزل القرآن القدیم القائم بذات الله تعالی فیها غیر قادح فی قدمه لکونه غیر حال فی شیئ منها مع کون کل منها قرآنا حقیقة شرعیة بلا شبهة وهذا عین الدلیل علی ان تجلی القدیم فی مظهر حادث لاینافی قدمه وتنزیهه ولیس من باب الحلول والتجسیم ولا قیام الحوادث بالقدیم (روح المعانی جلد اول صفحہ ١٦)

[2] اشارہ طرف مرتبہ نفسیۂ ازلیہ کے ہے۔ کیونکہ وہ قرآن شئونِ ذاتیہ سے ہے۔ اور ذات سے منفک نہیں ہوا اور نہ کبھی منفک ہوگا۔ لیکن اللہ تعالے نے اُسکی صورت کو خیال اور حس مین ظاہر فرمایا تو وہ کلمات مخیلہ۔ ملفوظہ مسموعہ مکتوبہ۔ مرئیہ سے ہوگئے۔ توان مظاہر مین بغیر حلول کے ظاہر ہوا۔ پس قرآن کلامِ الٰہی غیر مخلوق ہے۔ اور ان مراتبِ حادثہ مین نزول فرمانے کے باعث پروردگار کی طرف منسوب ہونے سے خارج نہین ہوا۔ ١٢

غنی تر ہیں۔ اور مرتبۂ لفظ میں خدا خود فرماتا ہے۔ وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۔ اور مرتبۂ کتابت میں فرمایا بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ **امام احمد** فرماتے ہیں کہ لَمْ یَزَلِ اللّٰہُ مُتَکَلِّمًا کَیْفَ شَاءَ وَاِذَا شَاءَ بِلَا کَیْفٍ۔ یعنے اللہ تعالے جس کیف سے[ا] چاہے کلام کر سکتا ہے۔ اور چاہے تو بے کیف کلام کر سکتا ہے" اس میں ان دو مرتبوں کی طرف اشارہ ہے **پہلا** وہ کلام جو مرتبۂ تجلی و تنزل میں کسی مظہرِ خاص کی طرف ہووے۔ اور **دوسرا** وہ کلامِ نفسی جو حق تعالے کی صفتِ ازلی ہے۔ کیونکہ کیف مراتب تنزلات کے توابع سے ہے۔ اور کلامِ نفسی مرتبۂ ذات میں مادہ سے مجرد ہے تو کیف بھی مرتفع ہو گیا

(پانچوان فائدہ) قراءت قرآن میں۔ جاننا چاہئے یہ بات تواتر کو پہونچ چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ اُنْزِلَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ یعنی یہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے تمکو جو حرف آسان ہو وہی پڑھ لیا کرو" ان احرفِ سبعہ کے معنی چالیس قول تک منقول ہیں اور اس میں علما کو بہت اختلاف ہے۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ ہر کلمہ سات وجہ پر پڑھا جائے کیونکہ ایسے بہت ہی تھوڑے کلمات ہیں۔ پس اکثر لوگ اسطرف ہیں اور بیہقی نے بھی اسکی تصحیح کی ہے اور ابہری وغیرہ نے بھی اسکو اختیار کیا ہے اور قاموس میں بھی ایک وجہ لکھی ہے کہ وہ لغتیں ہیں لیکن پھر لغتوں میں بھی اختلاف ہے ابو عبید کہتے ہیں۔ قریش اور ہذیل اور ثقیف اور ہوازن اور کنانہ اور تمیم اور یمن کی لغتیں ہیں اور دوسروں نے کہا کہ پانچ لغتیں اطراف ہوازن کے ہیں یعنی سعد اور ثقیف اور کنانہ اور ہذیل اور قریش اور دو لغتیں کل عرب کی ہیں۔ اور احرف سے لغت مراد لینا معنًی اور نظرًا ہر طرح درست و اولیٰ و انسب باعتبار معنی کے ہے علامہ دانی نے فرمایا کہ احرف سے مراد وجوہ ہیں یعنی قرآن باعتبارِ لغات کے سات وجہ پر ہے کیونکہ احرف جمع ہے

قراءت قرآن

[ا] یعنے اللہ تعالیٰ ہمیشہ متکلم اور کلام سے موصوف ہے۔ بحیثیت تجلی اور بغیر حیثیت۔ پس بحیثیت تجلی اپنے کلام کا مظہر کیفیت سے ہے۔ اور جب چاہے موافق مظہر تجلی کے کلام نہ کرے۔ بلکہ وہ متکلم بلا کیف ہے۔ جیسے پہلے ہے اور ہمیشہ رہے گا ۔۱۲

جیسے فلسؔ اور افلس اور حرف سے مراد کبھی وجہ بھی لیجاتی ہے اس کے لئے دلیل قول باری تعالے ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ١ الآیہ[١] اور باعتبار عقل ونظر کہ سات حروف[٢] میں متعدد حکمتیں اور فائدے ہیں۔

(پہلا فائدہ) اس امت کے لئے تخفیف وتسہیل ہے جس طرح یہ شریعت مطہرہ آسان وسہل ہے اسی طرح کتاب کا پڑھنا بھی سہل وآسان ہوجائے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ میں اسکی تصریح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری امت کو ایک حرف پر پڑھنا مشکل ہوگا یہاں تک آپ تکرار فرماتے رہے کہ سات حرفوں تک پہونچا دیا گیا کیونکہ سردار عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق کی طرف مرسل ہیں اور ان کی زبانوں میں باہم بہت ہی کچھ اختلاف ہے جیسا ظاہر ہے اور حالانکہ قرآن پڑھنے کے لئے سبکو خطاب کیا گیا۔ جس طرح اللہ تعالے نے فرمایا فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ اگر سبکو ایک ہی لغت پر پڑھنے کا حکم دیا جاتا تو ان پر بہت ہی شاق ہوتا کیونکہ جسکی عادت ہوجاتی ہے اس کا چھوڑنا بہت ہی دشوار ہے بلکہ بعضوں سے تو بعد ریاضت طویل کے بھی یہ بات ممکن

---

[١] یعنے بعضے لوگ اللہ کی بندگی ایک وجہ سے کرتے ہیں۔ یعنی جب بھلے چنگے عیش وعشرت سے رہیں تو پروردگار کی اطاعت وپرستش کرتے ہیں اور جب معاملہ دگرگوں ہووے اور اللہ تعالی مصیبت وتکلیف دیکر آزمائے تو عبادت چھوڑکے کفر کرنا شروع کرتے ہیں تو بس اس شخص نے ایک وجہ پر عبادت کی انتہی۔ [٢] صحابہ متفق ہوگئے کہ سبعہ حرف کے سوائے اور کوئی قرأت نہ پڑہی جائے۔ اور رسم قرآن کی موافقت کی جائے۔ اور جہاں ایک رسم کی موافقت کا احتمال نہ ہوا تو چند مصاحف میں متفرق کردیا گیا۔ کسی میں ایک قرارت کے موافق رسم لکھا گیا۔ اور کسی میں دوسری قرارت کے موافق چنانچہ قراء اس سے خوب آگاہ ہیں۔ اور اس مقام پر لکھدیتے ہیں مثلاً شام کے قرآن کا رسم اسطرح ہے۔ **تنبیہ**۔ بعض کو یہ وہم ہوا کہ اسانید ائمہ سبعہ تک ہیں۔ اور ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اسانید احاد ہیں جس طرح کتب قرآت میں ہے پھر تواتر کس طرح ہوگا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اسانید کا ایک جماعت خاص تک مذکور ہونا اس کا مانع نہیں ہے کہ ان کے سوا اور کسی سے قرارت کی سند نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ہر ایک طبقہ میں عدد تواتر ہے۔ اور ان اماموں کی جانب جو قرارت منسوب ہوی تو انکو ضبط حروف اور حفظ شیوخ اکمل طور پر تھا۔ فقیر کہتا ہے اسکی نظیر مذاہب اربعہ ہے ١٢۔

نہ تھی اس لئے کہ زبان مطیع نہیں ہوتی جیسے بوڑھے مرد اور عورتوں کا حال ہے پس دین کی آسانی اس بات کی مقتضی ہوئی کہ چند لغت پر اترے (دوسرا فائدہ) اسمیں امت کے فضل کا اظہار سائر امم پر ہے کیونکہ کسی امت پر کوئی ایسی کتاب نہیں آئی جس کو وجوہ مختلفہ سے پڑھنا درست ہو (تیسرا فائدہ) یہ ہے کہ لوگ اس میں تحقیق کرنے اور لفظ لفظ حفظ اور جمع کرنے سے اجر عظیم حاصل کریں (چوتھا فائدہ) اختلاف قرارت کا یہ ہے کہ اسکی حقانیت اور کتاب آسمانی ہونا ثابت ہوتا ہے کہ باوجود اسقدر اختلاف کے اللہ پاک نے موافق اپنے وعدے کے اسکو محفوظ رکھا ہے جب تک اسکا حافظ وہ علیم وقدیر وسمیع وبصیر نہ ہو کس طرح وہ بدستور محفوظ رہ سکتا ہے (پانچواں فائدہ) اختلاف قرارت میں کمال ایجاز پایا جاتا ہے کہ قراآت مختلفہ حکم میں آیات مختلفہ کے ہیں۔ ایک ہی آیت بمنزلہ کئی آیتوں کے ہو گئی اس ایجاز کے ادا کرنے پر سوائے معبود حقیقی کے کون قدرت رکھ سکتا ہے اور اسی قرارت کے اختلاف سے احکام میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے اسیواسطے فقہا نے وضو لامس کے نقض اور عدم نقض کی بنا (لَمَسْتُمْ) اور (لٰمَسْتُمْ) کے اختلاف پر کی ہے۔ اور اسی طرح حائضہ سے بعد انقطاع حیض قبل غسل کے وطی کرنیکا جواز اور عدم جواز (يَطَّهَّرْنَ) اور (يَطْهُرْنَ) کے اختلاف پر مبنی ہے (چھٹا فائدہ) یہ ہے کہ بعض قرارت بعض دوسرے کے لئے مبین ہے۔ گو شاذہ ہی ہو مثل قرارت (فَامْضُوا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ) کی مبین ہے (فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ) کی قرارت کے لئے۔ اور ابو عبیدہ نے فضائل القرآن میں بیان کیا ہے کہ قرارت شاذہ سے مقصود قرارت مشہور کی تفسیر ہوتی ہے۔ اور اس کی معنی کا بیان کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ مثل قرارت حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ اور قرارت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فَاقْطَعُوْا اَيْمَانَهُمَا اور قرارت جابر کی فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ (لَهُنَّ) غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ساتواں فائدہ) یہ ہے کہ قرآن کی طرح بنا لانے کے لئے ساری مخلوق سے کہا گیا تھا چنانچہ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ الآیہ۔ پس اگر ایک ہی لغت سے اتارا جاتا

بیان قرات متواتر وغیر متواتر

حکم نماز بقرات شاذہ

اور جن کی لغت مین نہ ہوتا وہ لوگ کہتے کہ اگر ہماری لغت پر آتا تو ہم اس کا مثل لاسکتے تھے۔ تو اسوقت کذب کا شبہ نعوذ باللہ قول خداوندی پر ہوتا۔ (آٹھوان فائدہ) یہ ہے کہ قرات مختلفہ سے اُس کے اعجاز میں مبالغہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ قراتِ کثیرہ سے وسعتِ کلام معلوم ہوتی ہے کہ مختلف طور سے اُن کو ادا کیا ہے اور مخلوق سے اُس کے مثل ایک ہی قرارۃ پر ایک چھوٹی سورۃ بھی نہیں بنسکتی ہے ہم اسیقدر فائدوں پر کفایت کرتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ قرآتِ عشرہ ان احرفِ سبعہ سے خارج نہیں ہیں۔ بلکہ وہ بھی انھیں احرفِ سبعہ میں بسبب متواتر ہونے کے داخل ہیں۔ اور اختلافِ قرآت سے ثبوتِ تواتر میں کسی طرحکا اعتراض نہیں۔ اسواسطے کہ ایک قاری نے دوسرے پر عیب نہیں لگایا کیونکہ شرطِ صحت ثابت ہوچکی ہے اگرچہ اس کے پاس نہ ہوئی ہو اور اب اس زمانہ میں دس قرآت کے سوا سب غیر متواتر ہیں۔ اور یہ دس قراءتیں متواتر ہیں اس سے نماز بھی صحیح اور اس کا منکر کافر ہے۔ صاحبِ اتحاف فرماتے ہیں لَاخِلَافَ فِے تَوَاتُرِ قِرَاءتِهِمْ وَيَكْفُرُ جَاحِدُهَا۔ اور غیر متواتر کو شاذ کہتے ہیں اور شاذ کا حکم مذاہب اور آراء علماء سے یوں ثابت ہے کہ شاذ کو قرآن جانکر پڑھنا یا دوسرے کو اس وہم میں ڈالنا جایز نہیں ہاں احکامِ شرعیہ کے خیال سے جس کے پاس اُس سے احتجاج کیا جاتا ہو ادبیت کے طور پر پڑھنا جایز ہے۔ اور اسی پر قیاس کرنا چاہئے جو متقدمین نے اُس کو پڑھا ہے اور اسی طرح کتب میں تدوین اور اس میں بحث کرنا جایز ہے۔ اور اعتقادِ قرآنیت اُس شاذ کا حرام ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب تمہید میں اسپر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے اور حکم نماز کا قراتِ شاذہ سے یہ ہے کہ اُسکی نماز درست نہیں ہے۔ اور اگر کوئی اُسکا مقتدی ہوا ہو تو وہ بھی نماز کا اعادہ کرے **تنبیہ** کبھی ایک قرارۃ کو دوسری قرارۃ پر اسقدر ترجیح دیتے ہیں کہ دوسری ساقط ہوجانے کے قریب ہوجاتی ہے اور یہ ناپسندیدہ بات ہے اس لئے کہ ہر ایک ان دونوں میں سے متواتر ہے پھر ایک کو کس طرح ساقط کرسکتے ہیں۔ ابوجعفر النحاس فرماتے ہیں اہل دین کے نزدیک اس بات میں سلامتی ہے کہ جب قراءتیں صحیح ہوجائیں پھر یہ نہ کہا جاے کہ ان میں سے ایک اجود ہے اور دوسری اجود

نہیں ہو کیونکہ وہ حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح مروی ہو چکیں پھر کیا کلام باقی رہا پس جو شخص ایسی بات کہیگا وہ گنہگار ہوگا۔ ابو شامہ نے بیان کیا ہے کہ قراءۃ مَلِكِ اور مٰلِكِ میں بعضی جاہل اسقدر مبالغہ کرتے ہیں کہ ہر ایک فریق دوسری قرارت کو قریب ساقط کرنے کے کر دیتا ہے اور بعد ثابت ہوجانے دونوں قرارتوں کے یہ بیہودہ بات ہے انتہٰی۔" (فائدہ) ابو عمر دانی فرماتے ہیں کہ اسبات پر تو اجماع ہے کہ قرآن میں چھہ ہزار آیتیں موجود ہیں اور اس سے زیادہ میں اختلاف ہے بعضے اس سے زیادہ نہیں کرتے بعض نے دوسو آیتیں زیادہ کی ہیں بعضوں نے اور کچھہ اس اختلاف کی وجہ بعضوں نے یوں لکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیتوں پر ٹھہر جاتے تھے۔ پھر اگر ایسا موقع دیکھتے کہ ما بعد سے اُس کو تعلق ہے تو پھر ملا کر پڑھتے۔ سامع کو یہ خیال ہوتا کہ یہاں شاید آیت نہیں ہے وہ اسیطرح بیان کر دیتا (فائدہ) بعض قرار فرماتے ہیں کہ قرآن کے کئی طرح پر نصف ہیں باعتبار حروف کے تو سورۂ کہف میں (نکرا) پر ہے اور نکرا کا کاف دوسرے نصف کا ہے اور بعض کہتے ہیں وَلْيَتَلَطَّفْ کے فا پر ہے۔ اور باعتبار کلمات کے سورۂ حج میں (والجلود) پر ہے اور (وَلَهُمْ مَقَامِعُ) دوسرے نصف میں ہے اور آیات کے اعتبار سے سورۂ شعراء میں (یافکون) پر ہے اور (فالقی السحرۃ) دوسرے نصف میں ہے اور باعتبار سورتوں کے سورۂ حدید کے آخر پر ہے اور سورۂ مجادلہ سے دوسرا نصف ہے"۔ (چھٹا فائدہ) اعجاز قرآنی میں[1]

تعداد آیات قرآن - تحقیق نصف قرآن

اعجاز قرآنی

---

[1] نظم و تالیف قرآن کی عجیب شان ہو کہ جس میں عقل حیران ہو۔ اس کا اعجاز آفتاب کی طرح روشن ہو۔ اسکی بلاغت ظاہر ہو لیکن یہ علم بزرگ بہت نایاب ہو رہا ہو۔ اسکے طالب بہت تھوڑے ہیں اور یہ علم بہت ادق ہو چنانچہ عامی آدمی فجر کو صبح کی جای میں یا اس کے بالعکس استعمال کرنا اچھا معلوم ہوتا ہو لیکن ہر ایک لفظ کا ایک مقام ہو جہاں ایک لفظ پھبتا ہے دوسرا لفظ وہاں زیب نہیں دیتا۔ اسیطرح ہزاروں مثالیں ہیں۔ جس کو ان دو لفظوں کے استعمال میں فرق نہ معلوم ہو اسکو تقلید ہی بہتر ہے۔ ہر شئے کا ایک سبب اور ہر علم کا ایک طریقہ ہو چاہئیے کہ اسی راہ سے اس کے منتہے کو پہونچیں۔ اگر کسی شخص کو بلاغت کا دعوے ہو تو قرآن مجید کے کسی قصہ کو یا کسی کلام کو اپنی عبارت میں اور اپنے الفاظ میں ادا کرے پھر اپنے کلام اور قرآن مجید کو ملا کر دیکھے تو اپنے کلام کا نقصان اور قرآن کا اعجاز ظاہر ہو جائیگا۔ اسی لئے موسےٰ علیہ السلام کا قصہ متعدد سورتوں میں مختلف طرق سے جدا جدا فواصل سے لایا گیا تا حجت اللہ قایم ہوجاے ۱۲

معجزہ اُس امرِ خارقِ عادت کو کہتے ہیں کہ جو مدعیِ نبوت سے ظاہر ہوا ورجس کا مثل مقابل نہ لاسکے اور خارقِ عادت وہ فعل ہے کہ جو اسباب پر مبنی نہ ہوا ور عادتاً وقوع میں نہ آتا ہو۔ تو یہ سب باتیں قرآن پر بدرجۂ اتم صادق آتی ہیں۔ پھر معجزہ یا حسّی ہوگا یا عقلی۔ اور اکثر معجزے بنی اسرائیل کے بسبب اُن کے کند ذہنی کے حسّی تھے اور اکثر معجزے اس امت کے بسبب فہمِ کامل و تیزیِ ذہن کے عقلی ہیں اور چونکہ یہ شریعت قیامت تک باقی رہے گی اس لئے معجزاتِ عقلیہ کے ساتھ مخصوص ہوئی تاکہ اہلِ بصیرت اس کو دیکھیں جیساکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ اِلَّا اُعْطِىَ مَا مِثْلُهٗ اٰمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ۔ اور علما متفق ہیں کہ قرآن مجید معجزہ ہے۔ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ۔ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم افصح فصحا اس قرآن کو لائے اور آپ نے اُنھیں بلایا تاکہ وہ مثل اس کے بنا لائیں اور کئی برس اُنھیں مہلت بھی دی جیساکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ۔ لیکن وہ نہ بنا لاسکے۔ پھر دس سورے بنا لانے کا حکم فرمایا چنانچہ فرماتا ہے اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ الخ یہ بھی اُن سے نہ ہوسکا پھر ایک سورت بنا لانے کے لئے اُن کو بلایا جس طرح فرمایا اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ الاٰیہ۔ پھر دوبارہ تحدی فرمایا۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ الاٰیہ۔ اب ایک سورت بھی اُن سے نہ ہوسکی۔ باوجود فصیح و بلیغ ہونے کے اس سے عاجز ہوگئے تو اسوقت اعجازِ قرآنی کی منادی دی اور اُن کے عجز کو ظاہر طور سے اس طرح بیان فرمایا۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ یہ ایسی زبردست پیشین گوئی ہے کہ اب تک جس کی سچائی ظاہر ہے اور انشاءاللہ قیامت تک اسکی صداقت

قرآن کے مقابلہ سے کفار کا عاجز ہونا

پوری طور سے ہوتی رہے گی۔ پھر کفار قریش نے اُس نور الٰہی کو بجھانے کے لئے ناخنوں تک کا زور لگایا لیکن اس کے معارضہ پر نہ آسکے۔ اور اگر اُن سے ہوسکتا تو کچھ نہ کچھ بنا کر پیش کرتے لیکن یہ تو نہ کیا بلکہ کبھی عنادو سرکشی اور کبھی استہزا اور ٹھٹھا کرنے لگے۔ کبھی قرآن کو سحر۔ کبھی شعر بتلایا۔ کبھی گذشتہ فسانوں کا الزام لگایا۔ اس طرح کے اقوال انکی حیرانی اور کٹ حجتی پر دلالت کرتے ہیں۔ آخر میں تلوار اوٹھائی۔ لیکن جواب میں قلم نہ اُٹھ سکا۔ جانیں نذر کیں وطن چھوڑا لیکن قرآن کا مقابلہ نہ ہوسکا۔ حالانکہ بہ نسبت اُس کے یہ آسان و سہل تھا لیکن چونکہ فصاحتِ قرآن اپنے منتہے کو پہونچ گئی ہے تو بشر سے اس کا مثل کسیطرح ممکن نہیں ہے۔

فصاحت قرآن

دیکھو کہ جب کوئی بلیغ عمدہ قصیدہ ایک سال میں لکھتا ہے تو تھوڑے دنوں کے بعد کچھ نہ کچھ پھر اس میں گھٹتا بڑہاتا ہے۔ یہی حال اُس کا ہمیشہ رہتا ہے۔ یہ انسان کی کمزوری کا نتیجہ ہے کیونکہ بھول چوک لازم بشریت ہے۔ برخلاف قرآنِ مجید کے کہ شروع سے آخر تک اگر کوئی لفظ اس میں سے (معاذ اللہ) کم کرکے دوسرا اسکی جاے میں رکھا جاے تو اس سے بہتر لفظ نہ مل سکے گا۔ بلکہ وہ پہلا ہی لفظ اچھا معلوم ہوگا۔ اور ہمیں اکثر جگہ اسکی فصاحت ظاہر و باہر نظر آتی ہے۔ لیکن بعض جگہ اُس کے وجوہ مخفی ہوجاتے ہیں تو یہ ہماری ہی سمجھ کا قصور ہے۔ کیونکہ وہ عرب جن کی فصاحت و بلاغت کے جھنڈے چار دانگِ عالم میں نصب تھے اُن کے پاؤں اس کے مقابلہ میں اُکھڑ گئے۔ تو اب پوری طور سے حجت قائم ہوگئی اور مخالفین کی کمر ٹوٹ گئی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساحروں کو الزام لگایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اطبا کو نیچا دکھایا۔ کیونکہ انبیا کے معجزے اُسی قبیل سے ہوتے تھے جس زمانے میں کہ جو باتیں نادرات زمانہ سے ہوتی تھیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو اپنے کمال کو پہنچ گیا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا وہی حال تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا عروج منتہی تک پہونچ گیا تھا۔ تو جب اسوقت

زمانے کے مناسب معجزوں کا ظاہر ہونا

فصحا عاجز ہو گئے تو دوسرے بطریقِ اولےٰ عاجز ہوں گے۔ اور یہ عجمیوں کو خوب یاد رکھنا چاہئے کہ جب اہلِ لسان جو عرب تھے فصاحتِ قرآن کا مقابلہ نہ کرسکے تو یہ بیچارے کس شمار میں ہیں۔ اور اسیطرح جو عرب ہیں اور انھیں فصاحت میں پوری مہارت نہ ہوا ور طُرُقِ کلام اور وجوہِ تصرّفِ لغت کی معرفت نہ ہو تو وہ بھی مثل عجمی کے ہیں۔ ان کو بھی اعجازِ قرآن[1] کی معرفت نہیں۔ ہاں جسے لسانِ عربی میں کمالِ درجہ معرفت ہو توالبتہ وہ فصاحت کو پہچان سکتا ہے اور وہ فصاحت جو قدرتِ انسانی کی حد سے خارج ہوگئی ہے اُس کو بھی جانسکتا ہے تو ایسے شخص پر اعجازِ قرآنی مخفی نہ رہیگا۔ کیونکہ صراف ہی کھرے کھوٹے کو پرک سکتا ہے دوسرا کیا پہچانے گا۔ اگر کسیکی ادبیّت ناقص اور شاعری میں یدِ طولےٰ نہ حاصل ہوا ور قرآن کی فصاحت میں اُسے شک پیدا ہووے تو اسیکی جہالت اور اسیکی عاجزی پر دلالت کرتا ہے اگرچہ اسکا پہچاننا نہایت ہی ادق ہے۔ لیکن اس کے بھی اہل ہیں جنکو اسکی معرفت عطا ہوی ہے۔ اور اگر کوئی جاہل اپنے قصورِ فہمی سے مطلع ہونا چاہے تو اس کو آگاہ بھی کرسکتے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے

لِلْحَرْبِ وَالضَّرْبِ اَقْوَامٌ لَهَا خُلِقُوْا		وَلِلدَّوَاوِيْنِ كُتَّابٌ وَحُسَّابٌ

ہر عمل کے لئے آدمی ہیں۔ ہر کارے وہر مردے کیا اچھی مثال ہے ع قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری ۃ اگر کوئی شخص فنِ فصاحت میں ماہر وکامل ہو۔ اور طُرُقِ بلاغت سے واقف ہو تو اُسے صرف فکر وتامل ہی کافی ہے۔ اور جو متوسط ہو تو اُسے تقلید ضروری ہے۔ کیونکہ جو اس صنعتِ فصاحت میں ناقص ہے گویا وہ اس سے خارج ہے۔ ہاں اس شخص کے لئے اتنا کافی ہے کہ مختلف نظم ونثر دیکھے اور ہر فن کی عبارت میں پوری طرح سے

[1] کیونکہ یہ ایسی تالیف ہے تمام وجوہِ کلام عرب سے برتر ہے نہ تو وہ نظم اور شعر ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے خود اسکی نفی فرمائی۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ الآیہ۔

عرب خالص سے قرآن کا مقابلہ نہو سکا تو دوسرے کس شمار مین ہین

تامّل کرے۔ تو وہ کلام جو ربوبیت سے صادر ہوا ہے اور جو حکمتوں اور غیب کی خبروں پر شامل ہے اور جس میں مصالح دینی و دنیوی ہیں۔ اور کس عمدہ الفاظ سے شریعت کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ غور کرے۔ اور پھر مخلوق و مربوب کے مضمون کو دیکھے تو قطعی طور سے کلامِ خدا اور کلامِ بندہ کے درمیان فرق ظاہر ہو جائے گا۔ اور مخلوق کے کلام میں جو نقصان اور رتبہ کا انحطاط ہے صاف طور سے نظر آجائیگا۔ دور کیوں جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم افصحِ عرب کے ہزاروں احادیثوں کو غور سے دیکھو تو کلامِ الٰہی اور کلامِ نبوی میں صاف طور سے فرق نظر آئے گا۔ حالانکہ دونوں کلام ایک ہی زبانِ مبارک سے ادا ہوئے ہیں۔ کافروں کے قول کے موافق اگر حضرت ہی قرآن کو بنائے ہوتے تو کوئی نہ کوئی حدیث تو قرآن سے مشابہ ہو جاتی۔ اسیطرح جاہلیت کے زمانہ کا کلام اور صحابہ او تابعین وغیرہ کے خطبے کلامِ رب العالمین سے بالکل جدا ہیں اس سے صاف طور سے معلوم ہو گیا کہ نظمِ قرآن نظمِ کلامِ آدمیوں سے مخالف ہے۔ اور اگر مفردات پر نظر ڈالو اور ہر کلمہ کو دیکھو تو نہایت ہی فصیح ہے۔ اور مجموعۂ کلام پر غور کرو تو بلاغت کے اعلےٰ درجہ پر ہے۔ اگر کسیکو کچھ فصاحت کا دعوے ہے تو ایک ہی قصہ کو قصۂ قرآنی میں سے اپنی عبارت اور اپنے الفاظ میں بیان کرے تو اس کا نقص ظاہر ہو جاوے گا۔ اور نظمِ قرآن کی فصاحت آشکارا ہو جائے گی۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے موسےٰ علیہ السلام کے قصہ کو چند بار مختلف طُرق سے بیان فرمایا اور باوجود اتفاقِ معنے کے فواصلِ مختلفہ سے ذکر کیا۔ یاد رکھو کہ وقتِ صبح تارے مٹ جاتے ہیں اگرچہ کیسے ہی چمکتے ہوں۔ چنانچہ اگر کسی رسالہ میں کلامِ الٰہی لکھا ہوا ہوتا ہے تو اسکی رونق بڑھ جاتی ہے۔ اور کسی خطبے میں پایا جاتا ہے تو حُسن اوسکا دونا ہو جاتا ہے۔ اور کسی قصیدہ میں ہو تو اُسے زینت بخشتا ہے۔ اور کسی کلام میں آئے تو اُسے آراستہ کر دیتا ہے۔ اور کسی نظم میں منظوم ہو تو اُسے خوشنما کر دیتا ہے جسطرح یاقوت موتیوں کے ہار میں ہوتا ہے یا دُرِّ نایاب منکوں کے بیچ میں ہوتا ہے۔ اس میں کسی آیت کی یا کسی سورت کی یا کسی قصہ کی خصوصیت نہیں بلکہ ہر ایک آیت اور ہر ایک سورت

اپنے حسن و جمال میں بے نظیر ہے۔ خواہ اس میں قصہ یا اخبار یا احکام[1] یا توحید[2] یا دلائل[3] ہوں غرض ہر ایک رنگ میں اسکی بلاغت اعلیٰ مقام پر ہے۔ کیسا ہی بڑا شاعر ہو جب زہ کا بیان نظم کرے تو اسکی شاعری پھیکی پڑ جاوے گی۔ اور کیسا ہی ادیب ہو احکام اور ذکر حلال و حرام بیان کرے تو یہ کلام اُس کے دوسرے کلام کی طرح نہ رہے گا۔ لیکن قرآنِ مجید میں کسی جگہ اور کسی بیان میں کسی طرح کا کوئی خلل نہیں ہے اور ہر جگہ اعلےٰ درجہ کی بلاغت ہے۔ یہ تو صرف نظم کلام اور معانی بدیع اور احکام میں غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے۔ اور جو اسکی برکت و انوار عالم میں پھیل گئے ہیں۔ اور لوگوں کو کفر کی ظلمت سے نورِ اسلام میں لایا اور مسلمانوں کے دلوں میں اسکی عظمت جاگیر ہوئی یہہ علاوہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب کلامِ متعارف کی فصاحت و بلاغت کو پہچاننا لوگوں پر دشوار ہوگیا ہے تو قرآن کی بلاغت کسطرح پہچان[4] سکیں گے۔ خود ہی فرماتا ہے[5]۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔ اگرچہ فصاحتِ قرآنی بطورِ اجمال بیان کی گئی لیکن بطورِ تفصیل

---

[1] چنانچہ تین آتیں ہیں میراث کے یعنے یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ الایہ دیکھو کسقدر احکام جمع ہیں اور کیسی فصاحت ہے۔ کونسا فصیح ایسی قدرت رکھ سکتا ہے۔ اسیطرح یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ وغیرہ وغیرہ۔ [2] بہت سی آیتیں ہیں چنانچہ ایک آیت یہ بھی ہے وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ اور سورۂ اخلاص تو توحید میں مشہور ہی ہے۔ [3] منجملہ اسکے ایک یہ آیت ہے لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ الایہ۔ [5] اللہ نے بہت اچھا کلام (یعنے یہ کتاب) نازل فرمائی (جس کی آیتیں) باہم مشابہ (ہیں اور) دہرائی ہوئی ہیں جس سے اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ پھر اُن کے پوست (گوشت) اور اُن کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم (ہوکر متوجہ) ہوجاتے ہیں یہ اللہ کی ہدایت ہے اُس کے ذریعہ سے جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور جسکو اللہ گمراہ کرے تو اسکا کوئی ہدایت کرنیوالا نہیں۔

بھی بیان کرنا ضروری ہے کیونکہ بعض نام کے مسلمان اعجازِ قرآنی کے منکر ہیں (**اعجاز قرآنی بطورِ تفصیل**) وہ امور کہ جو قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر دال ہیں بہت ہیں لیکن ہم اُن میں سے یہاں چند ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً کوئی بیانِ امرِ دینی یا دنیوی یا ترغیب و ترہیب غرض ہر ایک شے اعتدال پر ہے نہ افراط ہے نہ تفریط۔ اور یہ دونوں باتیں کلامِ انسانی میں نہیں پائے جاتے کیونکہ انسان اُسی حال کے موافق بات کرتا ہے جو اُس کے حال کے مناسب ہے۔ پس عتاب کے وقت میں اُن لوگوں کے حال کا خیال نہیں رکھتا جو مستحقِ رحمت ہیں اور اس کے برعکس اور حالِ دنیا بیان کرتے وقت حالِ آخرت کا خیال نہیں رکھتا اور اس کے برعکس۔ اور غصہ میں بلحاظِ خطا کے زیادتی کرجاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے امور میں (**پہلا امر**) قرآن بلاغت کے اعلےٰ درجہ میں ہے اس لئے کہ اسکی طرح اُنکی عبارت کی بندش نہیں ہے۔ اور یہ بلاغت عرب کے کلام میں پائی نہیں جاتی۔ اور اسپر کئی وجوہ دلالت کرتے ہیں (۱) اکثر عرب کی فصاحت وصفِ مشاہدات (یعنے وہ چیزیں جو حواسِ ظاہری سے محسوس ہوتی ہیں) میں پائی جاتی ہے جس طرح اونٹ یا گھوڑا یا باندی یا بادشاہ کے اوصاف یا رزم و بزم وغیرہ۔ اور اسی طرح عجم کی فصاحت ہی ہے۔ خواہ نظم ہو یا نثر۔ اس میں دائرۂ فصاحت و بلاغت بہت وسیع ہے۔ اس لئے کہ اکثر لوگوں کی طبیعتیں اسطرف مائل ہیں اور قدیم زمانے سے ہر وقت اور ہر اقلیم میں کوئی نہ کوئی شاعر یا منشی نئے مضامین اور عمدہ نکتے ان اشیاء میں ضرور لکھے ہیں۔ اور غالباً یہ شخصِ متاخر اُس متقدم کی باریکیوں سے واقف ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص ذہنِ سلیم اور طبعِ رسا رکھتا ہو اور اس وصف کا ملکہ حاصل

اعجاز قرآنی بطور تفصیل

بندش عبارت

مضمون جدید

لہ (۱۸) قرآن میں جو کفار سے بطور معارضہ کے کہا گیا ہے۔ اگر تم کو اس کتاب کے من عند اللہ ہونے میں شک ہو تو اسکی مثل کوئی سورت یا چند آیتیں تم بنا لاؤ۔ اس سے جیسا کہ اکثر اہل اسلام خیال کرتے یہ مراد نہیں ہے کہ ایسا فصیح بنا سکتے الخ۔ (حیاتِ جاوید مصنفہ حالی صفحہ ۲۰۵) یہ احمد خان علیگڈہی کے عقاید ہیں۔ علیہ ما علیہ۔

کرنے متوجہ ہو تو بعد اشتغال و ممارست کے بقدر اپنے سلامت ذہن اور جودتِ فکر کے کسی شے کا اُن اشیا میں سے وصف بیان کرنے کا ملکہ حاصل کر سکتا ہے۔ بخلاف قرآن مجید کے کہ وہ خاص اُن اشیا کے بیان میں نہیں ہے۔ پس ضرور تھا کہ اس میں وہ الفاظِ فصیح جو اہلِ عرب اپنے کلام میں متفق ہیں نہ پائے جائیں۔ (۲) اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں طریقۂ صدق کا لحاظ رکھا ہے۔ اور کذب سے اپنے تمام کلام کو پاک رکھا ہے۔ اور جس شاعر نے کذب کو چھوڑ کر صدق اختیار کیا۔ اُس کے شعر پھیکے پڑ گئے۔ وہ آب و تاب نہیں رہی۔ اسی لئے کہا گیا ہے اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ۔ یعنے جس شعر میں جھوٹ زیادہ ہو وہ بہت ہی اچھا ہوتا ہے چنانچہ جب لبید بن ربیعہ و حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما مسلمان ہو گئے تو اُن دونوں کے اشعار اُس پایہ پر نہ رہے۔ اُن کے اشعارِ اسلامی اشعارِ جاہلیت سے گھٹے ہوے ہیں۔ اور قرآنِ مجید باوجود کذب اور جھوٹ سے منزہ ہونے کے پھر بھی فصاحت کے اعلےٰ درجہ میں ہے۔ (۳) کلام فصیح اگر ہوتا بھی ہے تو کسی قصیدہ میں ایک دو بیت یا چند بیت۔ اور باقی کلام درجۂ فصاحت سے ساقط رہتا ہے۔ بخلاف قرآن مجید کے کہ باوجودِ طولِ کُل کا کُل اس درجہ میں فصیح ہے کہ جس کے مثل لانے سے مخلوق عاجز آگئی۔ صرف جو شخص قصۂ یوسف ہی کو دیکھ لے تو سمجھ جائے گا کہ باوجود اس طوالت کے بلاغت کے اعلےٰ درجہ میں ہے (۴) کیسا ہی شاعر اور منشی ہووے جب کسی مضمون یا قصے کو مکرر لکھتا ہے تو اُس کا دوسرا کلام پہلے کلام کی طرح نہیں ہوتا۔ اور قرآن مجید میں قصصِ انبیاء اور احوالِ مبداء و معاد اور احکام اور صفاتِ الٰہیہ مکرر بیان ہوے ہیں۔ کہیں عبارت میں اختصار ہے کہیں بسط ہے۔ بیان میں تفنن ہے۔ کہیں غیبت کہیں خطاب ہے۔ باوجود اس کے ہر ایک عبارت نہایت فصیح ہے۔ اور کہیں کچھ بھی تفاوت نہیں۔ (۵) قرآن میں جابجا عبادات کا وجوب۔ اور بُری باتوں کی حرمت اور مکارمِ اخلاق و ترکِ دنیا و اختیارِ آخرت کی ترغیب ہے۔ اور ایسی باتیں فصاحت کی کمی کا باعث ہوتی ہیں۔ اسی لئے اگر کسی شاعرِ فصیح

صدق کلام

فصاحت طول کلام

فصاحت تکرار

فصاحت احکام

فصاحت ہر فن میں

ربط درمیان آیات

یا منشی بلیغ سے کہا جائے کہ نو یا دس مسئلہ فقہ یا عقاید کے عبارتِ فصیح میں جس میں تشبیہات بلیغہ اور استعاراتِ دقیقہ ہوں لکھدو تو وہ لکھنے سے عاجز ہوجائے گا۔ (۶) ہر شاعر کا کلام کسی ایک فن میں خوب ہوتا ہے۔ اور دوسرے فن میں وہ خوبی نہیں رہتی۔ جس طرح شعرائے عرب کا حال ہے کہ امرؤ القیس کے شعر عیش و طرب میں اور عورتوں اور گھوڑوں کے وصف میں خوب ہوتے ہیں۔ نابغہ کے شعر خوف میں۔ اسیطرح شعرائے فارس کہ نظامی و فردوسی رزم میں یکتا ہیں۔ اور سعدی غزل میں مستثنیٰ ہیں۔ انوری قصاید میں۔ اور قرآن کو دیکھو کہ ترغیب ہو یا ترہیب زجر ہو یا وعظ وغیرہ غرض ہر ایک فن میں[1] نہایت درجے فصاحت ہے۔ (۷) اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کلام ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتا ہے اور بیانِ اشیاءِ مختلفہ کو شامل ہوتا ہے تو حسنِ ربطِ کلام باقی نہیں رہتا اور بلاغت کے بلند درجے سے گر جاتا ہے۔ اور قرآن مجید میں انتقال ایک قصے سے دوسرے قصے کی جانب اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ہوتا ہے اور یہ کلام پاک امر و نہی و خبر و استخبار و وعد و وعید و اثباتِ نبوت۔ و توحیدِ ذات و تفریدِ صفات و ترغیب و ترہیب و ضربِ مثال و بیانِ حال کو شامل ہے باوجود اس کے کمالِ ربط اور اعلیٰ درجۂ بلاغت کا جو عادت سے خارج ہے اُس میں موجود ہے

[1] ہم بطور نمونہ بتلاتے ہیں ترغیب میں یہ قولِ الٰہی فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ۔ ترہیب میں یہ قول وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ مِّن وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِن مَّاءٍ صَدِيدٍ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِن وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ۔ زجر و توبیخ میں یہ قول فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ۔ وعظ میں یہ قول أَفَرَأَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ثُمَّ جَاءَهُم مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ۔ الٰہیات میں یہ قول اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ۔ ۱۲

چنانچہ مفسرین نے اپنے حسب طاقت ذکر کیا ہے۔ اوراس تفسیر قادری میں بہ نسبت دوسری تفسیروں کے ربط زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ اورابھی علما کے لئے میدان خالی ہے۔ کیونکہ یہہ کلام الٰہی ہے۔ اسی لئے عرب کے بلیغ اسکی فصاحت سے دنگ ہوگئے۔ (۹) اکثر مقام پر قرآن مجید میں مختصر الفاظ معانی کثیر کو متضمن و شامل ہوتے ہیں اور الفاظ بھی شیریں ہوتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص سورۂ صاد کو تامل کرے تو ہمارے قول کی تصدیق کرے گا۔ اسیطرح ارشاد وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّآ أُولِي الْأَلْبَابِ[1]۔ اور وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ[2]

---

[1] اس قول کے لفظ تھوڑے اور معنے بہت ہیں باوجود بلیغ ہونے کے مطابقت درمیان دو متقابل معنوں کے (یعنے قصاص وحیات کے) موجود ہے۔ اور عجیب معنے ہیں کہ قتل جو حیات کا دور کرنیوالا ہے وہی اس کا ظرف ہے۔ یعنے قصاص میں حیات ہے۔ اور عرب کے اس معنے میں جتنے اقوال ہیں اُن سب سے بہتر ہے۔ کیونکہ اُن کے اقوال اس طرح ہیں (قَتْلُ الْبَعْضِ اَحْيَاءٌ لِلْجَمِيْعِ) یہ بھی ہے (اَكْثِرُوا الْقَتْلَ لِيَقِلَّ الْقَتْلُ) یہ بھی ہے (اَلْقَتْلُ اَنْفٰى لِلْقَتْلِ) بہترین اقوال آخری قول ہے۔ لفظ قرآنی اس آخری قول سے چھہ وجہ سے فصیح تر ہے (۱) یہ سب سے مختصر ہے۔ اور لکم اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ اسکی تقدیر تو ہر ایک میں ضروری ہے (۲) القتل انفی للقتل کا ظاہر اس بات کا مقتضی ہے کہ شے کا اپنی ذات کی انتفار کے لئے سبب ہوتا ہے۔ بخلاف لفظ قرآنی کہ وہ مقتضی ہے کہ ایک نوع قتل کی (یعنے قصاص) انواع حیات کی ایک نوع کا سبب ہے (۳) القتل الخ میں تکرار لفظ قتل ہے۔ بخلاف لفظ قرآنی کے کہ اس میں قتل و زخم ہر ایک سے زجر ہے۔ پس یہ مفید تر ہے (۵) انکا قول القتل الخ مطلوب پر بالتبع دال ہے۔ بخلاف لفظ قرآنی کے کہ وہ مقصود اصلی پر دال ہے اس لئے کہ نفی قتل مطلوب بالتبع ہے کیونکہ وہ متضمن حصول حیات ہے جو مطلوب اصلی ہے (۶) جو قتل کہ بطور ظلم کے ہے وہ بھی قتل ہے باوجودیکہ وہ نافی و دافع قتل نہیں ہے۔ بخلاف قصاص کے تو وہ قول بظاہر باطل و عاطل نظر آتا ہے۔ لیکن لفظ قرآنی بلحاظ ظاہر و باطن ہر طرح فصیح ہے۔ یہ نمونہ ہے۔ اسی پر دوسری آیتوں کو قیاس کرو۔

[2] نصرانی نے اس آیت کو سنکر کہا کہ یہ قول باوجود اختصار الفاظ کے جمیع ضروریات کو جامع ہے اطاعت خدا و رسول اور خدا کا خوف و تقوے اس میں داخل ہے اور اس کا نتیجہ کہ وہ دنیا و آخرت میں مراد کو پہنچیگا۔ اس میں مذکور ہے ۱۲

فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۔ وغیرہ ہیں **حکایت** ایک طبیب نصرانی نے کسی عالم مسلمان سے پوچھا کہ تمھاری کتاب شریف میں علمِ طب کا ذکر نہیں ہے۔ باوجودیکہ علم دو ہیں۔ (۱) علمِ ابدان (۲) علمِ ادیان۔ اُس عالم نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ نے علمِ طب کو آدھی آیت میں بیان کیا ہے وہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۔ ہے۔ یعنے کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو یعنے حرام تک تجاوز نکرو اور بُرا خرچ نہ کرو اور بہت سا نہ کھاؤ جو تمھیں ضرر پہونچائے[ا]۔ (۹) جزالت وعذوبت گویا دو متضاد صفتیں ہیں۔ ان دونوں کا اجتماع جس طرح کہ چاہئے کلامِ طویل کے ہر جز میں بلیغوں کی عادت کے خلاف ہے۔ توان دونوں کا اجتماع قرآن کے ہر ہر موضع میں کمالِ بلاغت و فصاحت کی دلیل ہے جو عادت سے خارج ہے۔ (۱۰) قرآنِ پاک جمیع فنونِ بلاغت کو شامل ہے جس میں اقسامِ تاکید وانواعِ تشبیہ وتمثیل واصنافِ استعارہ وحسنِ مطالع ومقاطع وحسنِ فواصل وتقدیم وتاخیر وفصل ووصل جو ہر مقام کے لائق ہے موجود ہے۔ اور لفظِ رکیک وشاذ جو قیاس سے خارج ہو جس کے استعمال سے تنافر ہو اسمیں نہیں ہے۔ اس کے سوا اور انواعِ بلاغت پائی جاتے ہیں۔ اگر کیسا ہی بلیغ عرب العرباء میں ہوتا۔ تو اس کے کلام میں ایک نوع یا دو نوع اُن انواع سے ہوتے تھے۔ اور جو اُسکی کوشش کرتا بھی تو اس پر قدرت نہ پاتا تھا یہ دس وجوہ دلالت کر رہے ہیں کہ قرآنِ مجید اُس بلاغت کے اعلےٰ درجہ میں ہے جو عادت سے خارج ہے فنِ بیان کے ماہر اور طرقِ کلام کے واقف جو فصحاءِ عرب سے تھے وہ جانتے تھے۔ اور اب بھی جو شخص لغتِ عرب اور فنونِ بلاغت سے پورا واقف ہوگا وہی اعجازِ قرآنی کو خوب جانیگا۔

حکایت

جزالت وعذوبت کا جمع ہونا

اقسامِ بلاغت کا جامع ہونا

[ا] بقیہ اس حکایت کا یہ ہے کہ پھر اس طبیب نے پوچھا کہ تمھارے نبی نے بھی اپنے طب کے متعلق کچھ فرمایا ہے۔ عالم نے کہا اسطرح آپ نے فرمایا ہے اَلْمِعْدَۃُ بَیْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْیَۃُ رَأْسُ کُلِّ دَوَاءٍ الخ یعنے معدہ بیماری کا گھر ہے۔ اور پرہیز ہر دوا کا اصل ہے۔ طبیب نے کہا انصاف کی بات تو یہ ہے کہ تمہاری کتاب اور تمہارے نبی نے جالینوس کا محتاج نہ رکھا۔ یعنی جس پر حفظِ صحت وازالۂ مرض کا مدار ہے۔ اور اُن دونوں کی جو اصل ہے اُس سے تمھیں آگاہ کر دیا۔ ۱۲

حسن مطالع و مقاطع

(امر دوّم) مطالع و مقاطع و فواصل میں قرآن کی تالیف عجیب اور اسلوب غریب ہے باوجود اس کے دقائقِ بیان و حقائقِ عرفان و حسنِ عبارت و لطفِ اشارت و سلاستِ ترکیب و سلامتِ ترتیب بھی اس میں موجود ہے جس میں عقولِ عربِ خالص اور افہامِ فصحا حیران ہو گئے۔ اور اس طرزِ قدیم کی مخالفت میں یہ حکمت تھی کہ کسی متعسف کو گمانِ سرقہ نہ ہووے۔ اور یہ کلامِ الٰہی اُن کے کلام سے جدا ہو جاوے۔ اور اس کا تفوق ثابت ہو جاوے کیونکہ ہر ایک بلیغ جب نظم یا نثر لکھتا ہے تو اس سے بچنے کی بہت ہی کوشش کرتا ہے۔ اور اکثر بلیغوں کی اسی سبب سے مدح سرائی یا عیب گوئی ہوتی ہے۔ اور بڑے بڑے شاعروں کو انکی شعر پر عیب لگایا گیا ہے۔ لیکن کفارِ مکہ ادیب تھے اور اسلام کے سخت دشمن تھے باوجود اس کے قرآن کی فصاحت پر کسیطرح کا عیب یا کسی طرحکا الزام نہ لگا سکے۔ بلکہ مقر ہوئے کہ نہ یہ ہمارے خطبوں کی طرح ہے اور نہ ہمارے شعر سے مشابہ ہے۔ کبھی تو اُسکی فصاحت و حسنِ نظم کو دیکھکر متعجب ہوئے اور جادو کہدیا۔ کبھی تو اُسے افترا سمجھا۔ کبھی تو کہا یہ قرآن کا سننا ہی اچھا نہیں اور یہ سب باتیں اُن کے مغلوب و مبہوت ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ جس سے ثابت ہو گیا کہ قرآنِ مجید اپنی بلاغت و فصاحت میں معجزہ ہے۔ کیونکہ اگر اُن سے یہ سہل کام (ایک سورت کا بنا لانا) ممکن تھا تو وہ چھوڑ دیگر مشکل امر (جان دینے) کو کیوں اختیار کرتے۔ ہاں

لہ جس طرح امرئ القیس کے اس مطلع پر عیب لگایا گیا ہے ؎

قفا نبک من ذکرے حبیب و منزل	بسقط اللوے بین الدخول و حومل

پہلے مصرع کے لفظ شیریں ہیں اور بندش نہایت سلیس ہے اور معانی کثیر ہیں کیونکہ وہ کھڑا رہا۔ کھڑا کیا رویا رولایا اور حبیب و منزل کا بھی ذکر کیا۔ لیکن دوسرے مصرع میں کوئی بھی بات نہیں۔ اسیطرح دوسرے شعرا پر بھی عیب لگایا گیا ہے جسے منظور ہو کتاب اعجاز القرآن دیکھے۔ ۲ہ اللہ تعالے کافروں کے قول کی حکایت فرماتا ہے لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ ۱۲

اگراُن کا یہ خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیروں سے اس کام میں مدد لی ہے تو خود بھی دلیتے۔ انھیں کون مانع تھا۔ جب اس طرح بھی انھوں نے نہ کیا بلکہ جنگ وجدل پر آمادہ ہوگئے تو اس سے ثابت ہوگیا کہ قرآن کے معارضہ سے عاجز آگئے اور بعض اوسکی فصاحت کے مقر تھے لیکن عناد وسرکشی سے ایمان نہ لاتے تھے۔ اور بہت سے لوگ سنتے ہی ایمان لائے۔ صحیحین میں جُبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے مغرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ سورہ طور پڑھتے پڑھتے جب ان آیات پر پہونچے اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ۔ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ۔ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ۔ بس میرا دل اسلام کے لئے بے قرار ہوگیا **(امر سوم)** کہ قرآن مجید میں بہت سی غیب کی خبریں دی گئی ہیں۔ جو آدمی کی قدرت سے باہر ہیں اور جن پیشینگوئیوں کی تصدیق دنیا کے حادثات اور واقعات سے بخوبی ہوچکی ہے۔ جن میں سے چند ہم یہاں بیان کرتے ہیں (۱) مثلاً اس آیت میں قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ الخ چنانچہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے اُن اعراب کو عرب اور فارس اور روم سے لڑنے کے لئے بلایا اور خوب سی لڑائی ہوی (۲) ایک آیت میں فرمایا الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ

قرآن کی پیشینگوئیاں

عـہ یعنے تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے ہیں اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ ایک نہ ایک دن اون کو ملک کی خلافت یعنے سلطنت ضرور عنایت کریگا جیسے ان لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو اُن سے پہلے ہوگذرے ہیں۔ اور جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اوس کو ان کے لئے جما کر رہیگا اور خوف جو اون کو لاحق ہے اس کے بعد عنقریب ان کو اس کے بدلہ میں امن دیگا۔ اللہ تعالے اس آیت میں مسلمانوں سے وعدہ کیا کہ تم میں سے خلفا بناؤں گا اور دین متمکن ہوجائیگا اور خوف کے بدلے امن نصیب ہوگا چنانچہ اللہ تعالےٰ نے تھوڑی سی مدت میں ان وعدوں کو پورا کیا۔ اہل اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکہ پر قابض ہوگئے اور اسیطرح خیبر وحنین وملک یمن اور اکثر دیار عرب کے مالک ہوگئے اور اقلیم حبش

بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ۔ اس آیت میں خدا نے آگاہ فرمایا ہے کہ گو رومی اسوقت مغلوب ہو گئے ہیں مگر چند سال بعد پھر اہلِ فارس پر فتح پائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا (۳) اسطرح قصۂ اہلِ بدر میں پیشی گوئی فرمائی سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ اسی واقعہ میں فرمایا وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ۔ چنانچہ یہ زبردست معجزہ پوری طور سے ظاہر ہوا اور کافروں کو جنگ بدر میں شکست فاش ہوی۔ (۴) ایک آیت میں صراحت کے ساتھ وعدہ فرمایا وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔ چنانچہ حسب وعدہ خلافت وحکومت مسلمانوں کو نصیب ہوی اور خوف کے بدلے میں امن دیا گیا۔ (۵) اور اس قصہ میں جو لوگ آپ کے ساتھ لڑائی میں شریک نہوکر پیچھے رہگئے ان کی شان میں فرماتا ہے لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا چنانچہ یہ پیشی گوئی بھی سچی ہوی اور ان مخالفوں میں سے کہ جن کو خطاب کیا گیا تھا وہ لڑائی میں نکلے (۶) ایک آیت میں یہود کو خطاب کر کے اسطرح فرمایا فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا چنانچہ کسی یہودی نے بھی اُسوقت موت کی تمنا کی (۷) آیتِ مباہلہ میں

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بسبب ایمان نجاشی بادشاہ کے دار اسلام ہو گیا۔ اور کچھ لوگ پھر گئے اور بعض عیسائیوں نے جو اطراف میں تھے اطاعت قبول کی اور جزیہ دیا۔ اور یہ حکومت خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں اور زیادہ ہوی کہ بعض شہر فارس اور مصر۔ اور دمشق اور شام کے دوسرے شہر بھی قبضہ میں آگئے۔ پھر یہ حکومت خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں اور زیادہ ہوی کہ تمام شہر شام کے اور تمام مملکت مصر کی اور اکثر شہر فارس کے آپ کے تحت تصرف آگئے اور مشرقی جانب میں چین کے حد تک پہنچ گئی غرض تیس سال میں اُن ملکوں پر اہلِ اسلام کا تسلط پوری طور سے ہو گیا اور اللہ کی عبادت بغیر خوف کے بے فکری سے ادا کرنے لگے لہ آپ نے جو اس تمنے اور زبان سے موت طلب کرنے کے لئے انھیں فرمایا یہ صرف اللہ کے اعتماد اور اوس کے بھروسہ پر فرمایا اور نہ کوئی شخص جو تھوڑی سی بھی عقل رکھتا ہو وہ کبھی اپنے بڑے دشمن کو اس بات کے لئے نہیں بلا سکتا جس کا خود اُسے اعتماد نہو

تمہارے مقابلہ پر نہ آئے (۸) خود قرآن کے متعلق جو پیشی گوئی ہے کسقدر زبردست ہے چنانچہ فرماتا ہے قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (اے نبی) کہدو کہ اگر انس و جن اس قرآن کے بنانیکی لئے جمع ہو جائیں تو اوس کے جیسا نہ بنا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں تو اس آیت میں فرمادیا کہ وہ کبھی اس کے جیسا نہیں بنا سکتے اور اسیطرح ہوا اور ایک جاے فرمایا فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔ یعنے اگر

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کیونکہ اوس کا دشمن اُسے ضرور کسی نہ کسی دلیل سے عاجز کر دیگا۔ تو پھر آپ جو سب سے بڑے عقلمند تھے کیسی کہہ سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا صرف خدا کے حکم سے اور اُس پر اعتماد کرکے فرمایا اور اگر نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اس دعوے میں سچے نہ ہوتے تو یہودی آپ کو جھٹلانے کے لئے باربار بلند آواز سے موت کی آرزو کرتے۔ اور لوگوں میں مشہور کردیتے کہ دیکھو انہوں نے اللہ پر افترا کیا ہے اور یہ سب اُن کے من گھڑت دعوے ہیں لیکن کسی نے بھی نہیں کیا۔ جس سے آپ کے معجزہ کا ثبوت پوری طور سے ہوگیا۔

اعجاز قرآن

لہ آیت چار وجہ سے اعجاز پر دال ہے (۱) ہم بطریق تواتر جانتے ہیں کہ عرب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عداوت تھی اور حضرت کی تکذیب کے لئے بڑے مستعد تھے چنانچہ اُن کا حضرت کے مقابلہ میں جان و مال صرف کرنا اسکی بڑی دلیل ہے۔ علاوہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے ان کی حرص کو بڑھاتا ہے۔ اگر وہ اسکی طاقت رکھتے تو کوئی نہ کوئی سورت تو بناتے۔ جب نہ بنایا تو اعجاز ثابت ہوگیا۔ (۲) اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے پاس نبوت میں مُتّہم تھے۔ لیکن آپ کی وفور عقل و فضل و معرفت انجام کے کافر بھی قایل تھے۔ پس اگر آپ بقول اُن کے کاذب تھے تو اس زور سے کیوں معارضہ کرتے بلکہ آپ کو ضرور تھا کہ انجام کار سے خوف کرتے کہ کہیں رسوائی ہو کر اسکا وبال تمام امور پر پڑتا۔ لیکن چونکہ آپ نے انکا معارضہ سے عاجز ہونا وحی سے جان لیا تھا اس لئے اس زور سے تحدّی کی اور اُنھیں مقابلہ کے لئے بلایا۔ (۳) اگر آپ کو اپنے اس کام میں قطعی طور سے یقین نہ ہوتا تو آپ کبھی یقینی طور سے اس طرح جزم کرکے لَا يَاْتُوْنَ

بیان امرِ چہارم علوم اولین و آخرین

بیان امرِ پنجم اسرارِ منافقین

تم قرآن کی طرح نہ بنا سکو اور ہرگز نہ بنا سکو گے پس اُس آگ سے ڈرو جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہین۔ **(امرِ چہارم)** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اُمّی ہونے اور اخبارات سے ناواقف ہونے کے وہ وہ قصصِ اوّلین اور سیرِ متقدمین آپ نے بیان فرمائے کہ جو ناواقف اور ان پڑھ ہرگز نہیں بیان کرسکتا۔ اور باوجودیکہ آپ ایسے لوگوں میں تھے جو بت پرستی کرتے تھے اور نہ آپ کہیں اتنی مدت سفر میں رہے جس میں تعلیم غیروں سے ممکن ہو۔ اور جہاں قرآنِ مجید میں قصص و حالات میں کتبِ اہلِ کتاب سے مخالفت ہے وہ قصدی وارادی ہے[1] چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ یعنے بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل کے لئے اکثر ان باتوں کو بیان کرتا ہے جس میں وہ مختلف ہیں ایک جائے فرمایا تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا الآیۃ۔ یعنے یہ غیب کی خبریں ہیں جسے ہم نے تم پر وحی کی (اے نبی) اس سے پہلے تم انھیں نہ جانتے تھے اور نہ تمھاری قوم الخ **(امرِ پنجم)** اس قرآن مجید میں اسرارِ منافقین کھول دئے گئے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے مکروکید کی اطلاع دیگئی ہے۔ اور بہ تفصیل اُن کے ہر ایک فریب کی وقتاً فوقتاً آپ کو اطلاع دیجاتی تھی۔ اور وہ سب اُسکی تصدیق کرتے تھے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) نہ فرماتے (۴) جس طرح آپ نے فرمایا اسیطرح یہ پیشگوئی پوری ہوی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اِس زمانہ تک کوئی وقت ایسا نہیں گذرا کہ جس میں اس دینِ پاک کے دشمن موجود نہ تھے۔ اور اسلام پر ہر طرح کے عیب لگانے کو آمادہ تھے۔ پھر باوجود اس حرصِ قوی کے کسی زمانہ میں قرآن کا معارضہ نہ ہو سکا پس یہ اور اس کے جیسی خبریں قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں کیونکہ عادتِ الٰہی اسیطرح جاری ہوی کہ جو مدعیِ نبوت کاذب ہو اور اللہ کی طرف کسی چیز کو منسوب کرے تو وہ جھوٹی ہوجاتی ہے۔

[1] کیونکہ بعض کتب میں کچھ کمی و بیشی ہوگئی ہے۔ یا یہ کہ بعض کتب الہامی نہیں ہیں۔ ۱۲

قرآن جامع علوم ہے

اسی طرح یہود کا حال اور اُن کے دلی منصوبے سب بیان ہوتے تھے۔ (امر ششم) قرآن مجید نے اُن معارفِ جزئیہ وعلوم کلیہ کو جمع کرلیا ہو جو عرب میں معہود و متعارف نہ تھے۔ چنانچہ اُس میں علمِ شرایع اور حجج عقلیہ وسیرِ مواعظ وحکم اور دارِ آخرت کی خبریں اور مجالسِ آداب وغیرہ سب موجود ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا۔ ؎

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ	تَقَاصَرَ عَنْہُ اَفْہَامُ الرِّجَالِ

قرآن اختلاف سے پاک ہے

(امر ہفتم) قرآنِ مجید اختلاف وتفاوت سے پاک ہے باوجودیکہ اس قدر بڑی کتاب ہے اور بہت سے علوم پر شامل ہے۔ اگر یہ کتاب خدا کی نہ ہوتی تو اُس میں انواعِ کلماتِ متناقضہ ہوتے۔ کیونکہ بڑی کتاب اس سے خالی نہیں ہوسکتی اور جب قرآن مجید اس عیب سے

ؔلہ تمام علوم قرآن میں ہیں لیکن افہامِ رجال سمجھنے سے قاصر ہیں۔ خلاصہ۔ اس کا یہ ہو کہ علوم یا دینیہ ہوں گے یا اس کے سوا۔ اور حقیقی طور سے دیکھو تو علوم دینیہ ہی کی شان بڑھی چڑھی ہے۔ اور اُسکا مرتبہ اعلےٰ ہے۔ اب علوم دینیہ یا علمِ عقاید یا علمِ اعمال ہے۔ علمِ عقاید سے مراد معرفتِ آلہی اور اُس کے ملائکہ اور اُس کے کتب اور اُس کے رسل اور قیامت کے دن کو جاننا۔ پھر معرفتِ آلہی سے مراد اُس کے ذات وصفات کی معرفت اور اُس کے اسماء وافعال و احکام کی معرفت۔ اور قرآن میں یہی مسائل مذکور ہیں یہاں تک کہ اس کے تفاریع وتفاصیل اس بسط سے مذکور ہیں کہ کوئی کتاب اس میں اُس کے مقابل تو کیا بلکہ قریب قریب تک بھی نہیں ہے۔ اب رہا علمِ اعمال یا تو اُس سے مراد علمِ تکالیف ہے جو متعلق بظاہر ہو۔ اور وہ علمِ فقہ ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تمام فقہا نے اپنے مباحث کو قرآن سے ہی استنباط کیا ہے اور یا یہ کہ علمِ تصوف ہو جو متعلق ساتھ تصفیۂ باطن وریاضت قلب کے ہو۔ اور اس علم کے مباحث تو قرآن میں جس قدر ہیں اسقدر دوسری کتاب میں ہرگز نہیں ہیں۔ چنانچہ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ۔ اور اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیہ اور اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ الآیہ۔ اور اسیطرح بہت سی آیتیں ہیں جس سے ثابت ہوگیا کہ وہ جمیع علومِ نقلیہ اصول وفروع سبکا جامع ہے۔ اور انواعِ دلالاتِ عقلیہ کی بھی جا بجا اسمیں تنبیہ ہے۔ اور گمراہ فرقوں کا براہینِ ساطعہ وادلّۂ باہرہ سے رد ہے۔ چنانچہ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِیْ اَنْشَاَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وغیرہ وغیرہ بہت آیات ہیں۔ ۱۲

پاک ہے تو ہمیں معلوم ہوگیا کہ یہ خدا کے پاس سے ہی نازل ہوئی ہے چنانچہ خود فرماتا ہے۔
أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا
انھیں سات امور کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ کیونکہ ایسی بلاغت۔ اور یہ طرز عجیب۔ اور اخبار غیوب۔ اور انواع علوم۔ اور اختلاف وتفاوت سے پاک باوجود اس کے بڑی کتاب ہے ایسی کتاب کوئی نہیں بنا سکتا سوائے اس عالم کے کہ جس کے علم سے ایک ذرہ بھی مخفی نہیں ہے۔
(امر ہشتم) قرآن مجید باقی معجزہ ہے کہ ہر جگہ پڑھا جاتا ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالے نے لی ہے۔ جب اس کا ایک چھوٹا سورہ معجزہ ہے تو اسیقدر اسکی آیات بھی معجزہ ہیں۔ تو اس لحاظ سے قرآن مجید دو ہزار معجزوں سے بھی زیادہ پر شامل ہے (امر نہم) اس کا پڑھنے والا اور قاری وسامع بیزار نہیں ہوتے اور تکرار سے ہر وقت ایک نئی لذت ملتی ہے اور اس سے محبت زیادہ ہوتی جاتی ہے جس طرح شاطبی فرماتے ہیں۔ ~

وَخَيْرُ جَلِيسٍ لَا يُمَلُّ حَدِيثُهُ	وَتَرْدَادُهُ يَزْدَادُ فِيهِ تَجَمُّلَا

اور اس کے سوا جو دوسرا کلام ہے اگرچہ کیسا ہی بلیغ ہو بار بار پڑھنے سے طبیعت پر شاق ہو جاتا ہے اور سامع کو گراں گذرتا ہے۔ لیکن یہ امر طبع سلیم پر منحصر ہے۔ نہ طبیعت سقیم پر۔
(امر دہم) اس کا حفظ یاد کرنے والوں کو سہل ہوتا ہے چنانچہ فرمایا وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ۔ چھوٹے چھوٹے بچے سال دو سال کی مدت میں قرآن شریف حفظ کرلیتے ہیں۔ ہر ہر طبقے میں ہزاروں حافظ گذرے۔ اب اس زمانے میں کہ جو ضعف اسلام کا زمانہ ہے اگر اطراف زمین میں دیکھا جائے تو ایک لاکھ سے بھی زاید حافظوں نے اپنے سینوں میں قرآن مجید کو اٹھایا ہے۔ برخلاف پہلی امتوں کے کہ کسی ایک شخص نے بھی اپنی کتاب کو حفظ نہیں کیا یہ اس لئے ہے کہ تا جب تک دنیا باقی رہے گی یہ نشانی بھی باقی رہے گی۔ (امر یازدہم) قرآن کے پڑھتے اور سنتے وقت رقت طاری ہوتی اور خوف دل میں سما جاتا ہے۔ اور کبھی یہ

خوف اُس شخص کو پیدا ہوتا ہے جو معانی و تفسیر بھی نہیں پہچانتا۔ بعض تو کافروں میں سے
پہلے بار سنتے ہی مسلمان ہو گئے بعض وہ جن کے دلوں پر مہر ہو گئی تھی وہ اُسی کفر پر
اڑے رہے۔ اور بعض نے اُس وقت تو انکار کیا لیکن تھوڑے روز کے بعد پھر مسلمان ہو گئے۔
چنانچہ جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نجاشی اور اُن کے لوگوں کو قرآن پڑھ سنایا تو وہ سب کے سب
روتے تھے یہاں تک کہ جب حضرت جعفر نے قرأت ختم کی تو یہ آیت اتری وَاِذَا سَمِعُوْا
مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ الاٰیۃ۔
فقیر کہتا ہے کہ تفسیر قادری میں اور یارد ہم میں جو مناسبت ہے وہ ظاہر ہے اس لحاظ سے اتنے
ہی فوائد کافی ہیں۔ (**فوائد تکرار قصص انبیا** علیہم السلام) تکرار قصص انبیا میں بھی
بہت سے فوائد ہیں علامہ بدر بن جماعہ نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام **المقتنص فی تکریر
فوائد القصص** رکھا ہے چنانچہ اتقان سے ہم بھی چند فوائد نقل کرتے ہیں۔ پہلا فائدہ تکرار
قصص انبیا میں یہ ہے کہ ایک ہی کلام کو اسالیب کثیرہ اور عبارات مختلفہ میں بیان کرنا بڑی فصاحت
ہے۔ دوسرا یہ کہ قرآن کے جیسے ایک چھوٹی سورت بنانے سے تمام فصحا عرب عاجز آ گئے تھے اللہ
تعالیٰ نے اُنکی عاجزی اچھی طرح سے ظاہر کرنے کو ایک قصہ کو کئی بار بیان فرمایا تا واضح ہو جاوے
کہ ہم نے ایک قصہ کو ہر جاے عبارت مختلفہ اور نظم جداگانہ اور نئے اسلوب سے بیان کیا ہے
تم بھی اسیطرح کسی ایک اسلوب سے تو بیان کرو تیسرا فائدہ یہ ہے کہ کفار سے کہا جاتا تھا کہ قرآن کی
جیسی ایک چھوٹی سورت تو بنا لاؤ شاید کہنے والا کہتا کہ تم نے بھی ایک بار بنا لیا ہوگا بھلا تم بھی تو
اوہی قصہ کو دوسری نہج پر بیان کرو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار بیان فرمایا تا اُن پر اچھی
طرح حجت ثابت ہو جاوے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ جب انبیا علیہم السلام کی امتوں نے اُنکی تکذیب
کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر عذاب نازل کیا۔ اور اُن کو ہلاک کر کے جہنم واصل کیا چونکہ کفار
رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بار بار جھٹلایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اُن قصوں کو
جن میں امم سابقہ کی ہلاکی کا ذکر ہے بار بار نازل فرمایا تاکہ کفار آگاہ ہو جائیں کہ جیسے پہلی

پہلا فائدہ ۔ دوسرا فائدہ ۔ تیسرا فائدہ ۔ چوتھا فائدہ ۔

امتوں پر تکذیب انبیا علیہم السلام سے نزول عذاب ہوا کہیں انپر بھی نزول عذاب نہ ہوا۔ الّا
قصۂ یوسف اور قصۂ اصحاب کہف اور قصۂ ذوالقرنین اور قصۂ موسے خضر سے اور قصۂ اسمٰعیل
علے نبینا و علیہم السلام کی تکرار نہیں ہوی۔ کیونکہ یہ قصے ایسے ہیں جن میں نزول عذاب کا ذکر
نہیں ہے۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ ایک قصہ کا جب کئی مرتبہ ذکر ہو تو آدمی ضرور متنفر ہو جاتا ۱۲۰
ہے کیونکہ اسکا تو کُلّ جدید لذیذ پر عمل ہے باوجود اس کے یہ خاصۂ قرآن ہے کہ اس
تکرار پر بھی ہر جاے ایک نئی لذت اور ایک نیا مزہ حاصل ہے جسے فصحاے عرب خوب جانتے ہیں ۱۲۱
پس اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ کلامِ خدا ہے کلامِ مخلوق سے جدا ہے حاصل کلام یہ ہے کہ
قرآن مجید خداوند عالم کی صفت اور اوس کا کلام ہے۔ اور ترتیب آیات بھی اوسی کا کام ہے
کیونکہ لوح محفوظ میں جو ترتیب تھی وہی ترتیب قرآن موجودہ کی ہے۔ پھر اُس کے باریکیوں کو
کما حقہ پہونچنا طاقت بشر نہیں۔ اگرچہ علما نے بہت سے فوائد لکھے لیکن پھر بھی اُس کے
پورے نکات کی خبر نہیں۔ جسطرح اُسکی ذات میں تحیر و سرگردانی ہے۔ اسیطرح اُسکی
صفات میں بھی حیرانی ہے۔ (**فائدہ**) بدایع قرآن بہت ہیں۔ چنانچہ بعض یہ ہیں۔
مجاز۔ استعارہ۔ کنایہ۔ ارداف۔ تمثیل۔ تشبیہ۔ ایجاز۔ اتساع۔ اشارہ۔ مساوات۔
بسط۔ ایغال۔ تشریع۔ تتمیم۔ تکمیل۔ احتراس۔ استقصاء۔ نفی الشی بایجابہ۔
تذییل۔ زیادہ۔ تردید۔ تکرار۔ تفسیر۔ مذہب کلامی۔ قول بالموجب۔ مناقضہ۔ انتقال۔
اسجال۔ تسلیم۔ تمکین۔ توشیح۔ تسہیم۔ رد العجز علے الصدر۔ تشابہ الاطراف۔ لزوم ما لا
یلزم۔ تخییر۔ ایہام جو توریہ ہے۔ استخدام۔ التفات۔ استطراد۔ اطراد۔ انسجام۔ ادماج۔
افتنان۔ اقتدار۔ ایتلاف اللفظ مع اللفظ۔ ایتلاف اللفظ مع المعنے۔ استدراک۔
استثناء۔ اقتصاص۔ ابدال۔ تاکید المدح بما یشبہ الذم۔ تفویف۔ تغایر۔ تقسیم۔
تدبیج۔ تنکیت۔ تجرید۔ تعدید۔ ترتیب۔ ترقی۔ تدلی۔ تضمین۔ جناس۔ جمع و تفریق۔
جمع و تقسیم۔ جمع مع تفریق و تقسیم۔ جمع مؤتلف و مختلف۔ حسن نسق۔ عتاب المرء نفسہ

...وان - مراعۃ - تقسیم - لف و نشر - مشاکلہ - مزاوجہ - موازنہ - مراجعہ - نزاہت - ابداع - مقارنت - حسنِ ابتدار - حسنِ اختتام - حسنِ مخلص - استطراد - ابن الاصبع نے اسی بیان میں ایک خاص کتاب تصنیف کی ہے - علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب اتقان میں اس سے زیادہ اور انواع بیان کئے ہیں - اور ہر ایک کی تعریف اور ہر ایک کی شرح کی ہے - **غرض** تمام علوم قرآن مجید میں موجود ہیں - لیکن ہر شخص اپنی اجتہاد و فہم کے مطابق اُس سے سمجھتا ہے - ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اگر خدائے تعالےٰ فہم کامل عنایت فرمائے تو ہر شے قرآن مجید سے نکل سکتی ہے یہاں تک کہ بعضوں نے عمر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو جو ترسٹھ سال تھی سورۂ منافقون سے نکالا - کیونکہ وہ سورہ ترسٹھواں ہے اور یہ آیت اس میں ہے وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا - اور اُس کے بعد ہی سورۂ تغابن ہے یعنے جب آپ اس عالم سے روپوش ہو جائیں گے تو اس کے بعد تغابن ظاہر ہو جائے گا - فقط

مقدمه
17- بنی‌اسرائیل
19- مریم

باقی آئندہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر قادری

الموسوم باسم تاریخی

تفسیرِ کشف القلوب

۱۳۱۹ھ

از

سید الشیوخ حافظ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲۸۲-۱۳۳۰ھ)

تکملہ از

شیخ الاسلام سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

(۱۳۱۷-۱۳۸۴ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری

(الموسوم باسمِ تاریخی تفسیرِ کشف القلوب ۱۳۱۹ھ)

حصہ اوّل سورہ بنی اسرائیل (پارہ ۱۵) تا سورہ فتح پارہ ۲۶) مع مقدمہ

مؤلف سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسم شریف مولانا مولوی میر پرورش علی رفعت پناہ قدس سرہ

المعروف سید محمد پادشاہ حسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

ولادت و وفات ۱۲۸۲ھ بمقام قاضی پورہ ۱۳۳۰ھ بمقام قادری چمن حیدرآباد

دیگر تصانیف فرائض قادری (منظوم ۔جس میں چاروں مذاہب کے وراثت کے مسائل جمع ہیں)، رہبر طریقت، مصطلحات تصوف، صحیفہ معرفت، تحفۂ فاروقیہ وغیرہ وغیرہ ۔ پٹنہ کے رسالہ تحفۂ حنفیہ میں بھی اکثر آپ کے مسلسل مضامین شائع ہوتے رہے ہیں جن میں بعض مشاہیر کی کتابوں کے ترجمہ بھی شامل ہیں ۔ کلامِ خلیق کے نام سے آپ کا مختصر کلام بھی شائع ہوا ہے ۔

حصہ دوم سورہ حجرات (پارہ ۲۶) تا سورہ ناس (پارہ ۳۰)

حصہ سوم سورہ فاتحہ و سورہ بقرہ ابتدائی ۳۶ آیتیں

مؤلف شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی لئیق رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسم شریف سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ

ولادت و وفات ۱۳۱۷ھ بمقام قاضی پورہ، ۱۳۸۲ھ بمقام قادری چمن حیدرآباد دکن

دیگر تصانیف :- تصریفِ قادری جس میں عربی کے مصادر اور ان کا اردو اور فارسی میں ترجمہ ہے، ماثورہ دعاؤوں کی کئی کتابیں، ماہنامہ نور اور مختلف روزناموں میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں ۔ کلامِ لئیق کے نام سے آپ کا کلام بھی شائع ہوا ہے ۔

تفسیرِ قادری الموسوم تفسیرِ کشف القلوب کے متعلق تفصیلات

مؤلفین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مختصر حالات

حصہ دوم جلد اول کے ساتھ منسلک ہیں ۔

حصہ اول کی پانچ جلدوں کی حد تک فہرستِ معجم تیار کر لی گئی ہے

جس کی مدد سے اُن مضامین کی تفصیل معلوم ہو سکتی ہے جو مختلف

مقامات پر پھیلے ہوئے ہیں اور حروفِ تہجی کے لحاظ سے ایک جگہ

جمع کر دیئے گئے ہیں ۔ یہ فہرست جو محققین کیلئے اور اُن حضرات

کیلئے جو کسی خاص موضوع پر تفصیلات جمع کرنا چاہتے ہیں ایک نعمت ہے

حصہ اول جلد پنجم میں دیکھی جا سکتی ہے ۔

سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق

فلک نما حیدرآباد

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا

مصنفہ جامع العلوم العقلیہ والنقلیہ بحر الفنون الفرعیہ والاصلیہ قاطع شبہات الملحدین دافع مقالہ المعاندین حامی سنت ماحی بدعت قامع شرک وشر عالیجناب حاجی حافظ قاری مولانا و مرشدنا حضرت سید شاہ محمد عمر صاحب قادری جنبلی حیدرآبادی مدظلہ العالے مصنف تفسیر قادری و ترالنفس قادری و رہبر طریقت وغیرہ الموسومہ

مقدمہ تفسیر قادری

حضرات ناظرین! اگرچہ اس مقدمہ میں آئندہ بہت سے فوائد مندرج ہوا ہے گے لیکن بلحاظ عجلت چند فوائد نوشتہ ہیں خصوصیس آخری حصہ میں اعجاز قرآن قابل ملاحظہ

باہتمام

خاکپائے انام محمد عبد العزیز (مدرسہ اعزہ) و حکیم محمد رکن الدین (اندرکوون علی آباد) و سید عبد الجبار (قاضی پورہ) کان اللہ لہم

قد طبع فی مطبع شمس الاسلام واقع حیدرآباد

١٣٥٢

[illegible] مطبع [illegible] طبع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیرِ قادری الموسوم باسمِ تاریخی تفسیرِ کشف القلوب ۱۳۱۹ھ

مقدمہ تفسیر

از سید الشیوخ حافظ سید محمد عمر حسینی قادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۲-۱۳۳۰ھ)

پیرومرشد مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد فرمانے پر سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق نے یہ فہرست تیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اور اس کے ساتھ اس کام میں شریک رہنے والوں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ میں اور اپنے کلام کی برکت سے جزائے خیر عطا فرمائے اور اُن کی دین ودنیا کی مشکلوں کو حل فرمائے۔ آمین

پیر کے ساتھ رہا خدمتِ قرآن میں شریک   خادمِ خادمِ قرآن ہوا نصر الحق

الحمد للہ رب العالمین

اظہارِ تشکر

روز افزوں ہوں مدارج اور تیرا مرتبہ
حق تعالیٰ دے تجھے اس امر کا بہتر صلہ
جس کو جو دینا تھا دے کر تو نے اپنے نصر کو
ہاتھ میں تفسیر دے کر ساتھ اپنے کرلیا

مقدمه
17- بنی
19- مریم